سوادِ اُردو

مؤلفہ

خان صاحب مولوی محمد اسمٰعیل

(ٹکسٹ بک)

برائے جماعتِ چہارم مدارس ورنیکولر

مجوزہ

جناب صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتۂ اشاعت تعلیم عام

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپی

۱۹۲۰ بار ہفتم

قیمت فی جلد [illegible]

فہرست مضامین

رَسمُ الخَطّ

بیشتر تعلیمی کتابوں میں رَسمُ الخَطّ کی پابندی مفقود ہے جہاں جی چاہتا ہے۔ دو لفظوں کو ملا کر لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً اُسنے جسپر۔ ہمنے۔ کیواسطے۔ وغیرہ۔ یہی بَد رَسمی طلبہ کی عادت میں سرایت کر جاتی ہے لہذا اس کتاب میں رسمُ الخطّ کی صحت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے ÷

اِعْراب

صحّت تلفّظ میں عمُوماً مُساہلت برتی جاتی ہے۔ اس لئے مُشتبہ موقعوں پر اِعراب لگائے گئے ہیں۔ اَور اِعراب کے قاعدے حسب ذیل اختیار کیے ہیں :-

ں ا۔ نُونِ غُنّہ لفظ کے آخر میں نُقطہ سے خالی چھوڑا گیا ہے۔ مثلاً جہاں۔ کہاں ÷

وٗ ا۔ واوِ معرُوف کے پہلے اُلٹا پیش لگایا ہے۔ مثلاً دوٗر لوٗٹ ÷

۲۔ واوِ مجہول کے پہلے کوئی علامت نہیں ۔ مثلاً
چور ۔ گول ✣
۳۔ واوِ معدولہ کے نیچے سیدھی لکیر ہے ۔ مثلاً
خوراک ۔ خود ✣
۴۔ واوِ ما قبل مفتوح پر زبر لگا دیا ہے ۔ مثلاً
فَوج ۔ عَورت ✣

ی ۱۔ یائے معروف لفظ کے آخر میں دائرے والی لکھی
گئی ہے ۔ مثلاً بلی ۔ روٹی ✣
۲۔ لفظ کے بیچ میں آئی ہے ۔ تو اُس کے نقطوں کے
نیچے لکیر بنا دی ہے ۔ مثلاً چیز ۔ پیتل ✣

ے ۱۔ یائے مجہول لفظ کے آخر میں معکوس لکھی گئی ہے
مثلاً پہلے ۔ پیچھے ✣
۲۔ لفظ کے بیچ میں آئی ہے ۔ تو کوئی نشان اُس کے
نیچے نہیں لگایا ۔ مثلاً میز ۔ تیل ✣
۳۔ یائے ما قبل مفتوح بھی لفظ کے آخر میں معکوس
لکھی گئی ہے ۔ مگر اُس کے پہلے حرف پر زبر بنا دیا ہے
مثلاً کَے ۔ شَے ✣
۴۔ لفظ کے بیچ میں بھی اُس کے پہلے حرف پر

زبر لگایا ہے۔ مثلاً مَیں۔ حُسَین ٭

یٖا | یائے مخلوط کے نقطے اوپر نیچے لگا دیے ہیں۔ مثلاً کیا
کیوں۔ پیاس۔

ھ | ہائے مخلوط دو چشمی لکھی گئی ہے۔ مثلاً گھر ٭

وُ | حرف مضموم پر پیش اور مکسور کے نیچے زیر لگا دیا ہے
مثلاً اُجلا۔ نِکلا ٭

جس حرف پر پیش یا زیر نہ ہو اُس کو زبر سمجھو۔ مثلاً
کمر۔ نظر۔ عمل ٭

ۡ | حرفِ ساکن پر جزم لگا دیا ہے۔ لیکن آخیر حرف پر
نہیں لگایا کیونکہ وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے ٭

ّ | حرفِ مشدّد پر تشدید بنائی گئی ہے اور حرکت بھی ٭

رُمُوز

اوقاف و رموز سے بھی خوش خوانی میں نہایت مدد ملتی ہے۔ جہاں ضمنی جملہ ختم ہوتا ہے۔ وہاں کم۔ اور جہاں مرکّب جملہ ختم ہوتا ہے۔ وہاں زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔ اسی طرح جہاں ندا تعجّب۔ تہدید و سوال وغیرہ کا موقع آئے۔ وہاں تغیّرِ لہجہ سے کام لینا چاہیے ٭

رموز جو اس کتاب میں استعمال ہوئے ہیں اُن کی شرح یہ ہے :-

- جہاں مُفرد جملہ ختم ہوتا ہے ✣

✣ جہاں مُرکّب جُملہ ختم ہوتا ہے ✣

! یہ نِشان نِدا مُندبہ۔ قسم اَور تعجّب کے جُملوں کا ہے۔

مثلاً واہ وا ! ہاے ! صاحبو !✣

؟ یہ نشان جُملۂ اِستفہامیہ کا ہے ✣

" " جو جملہ یا فقرہ کسی کا مقولہ ہو اُس کے اول و آخر میں ایسا نشان ہے ✣

( ) جو جملہ کسی جُملہ کے بیچ میں آجاتا ہے یہ نِشان اُس کے اوّل و آخر میں بنا دیا گیا ہے ✣

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

(۱) سُلطان فیروز

۱۔ فیروز کا باپ سُلطانِ غیاثُ الدّین کا حقیقی بھائی اَور سپہ سالار تھا۔ ابھی فیروز کی عُمر پُورے سات برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یتیم ہو گیا۔ مگر چچا نے اُس کے سَر پر دستِ شفقت رکھّا۔ اَور باپ سے زیادہ اُس کی تعلیم و تربیت میں سعی فرمائی۔ آدابِ سلطنت اَور آئینِ حُکومت کے اَسرار سے اُس کو ماہر کیا ۞

۲۔ جب اٹھارہ برس کا سِن ہُوا تو شفیق چچا نے بھی رحلت کی۔ اَب چچا زاد بھائی مُحمّد تُغلق بادشاہ ہُوا۔ اُس نے بھی اِس نوجوان بھائی کے حال پر ہمیشہ نظرِ عنایت رکھّی یہاں تک کہ دمِ آخر وصیّت کی۔ کہ میرے بعد تاج و تخت کا وارث میرا عزیز اور لائق بھائی فیروز ہے ۞

۳۔ دُوسرے دِن تمام اُمرا عُلما۔ اور صُلحا اُس کی خِدمت میں حاضر ہُوئے اور تختِ سلطنت پر اِجلاس کرنے کی دَرخواست کی۔ مَلِک فیروز نے جواب دِیا کہ صاحبو! اوّل تو اِس بارِ گِراں

کے اُٹھانے کی مجھ میں قابلیت نہیں دُوسرے میرا قصد ہے حجِّ بیتُ اللہ کا پس مجھ کو معاف رکھئے ٭

۴۔ مگر جب لوگوں کا اِصرار حدّ سے زیادہ پایا۔ تو اُٹھ کر وضو کیا اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ دُعا مانگی کہ خدایا! تیری اعانت کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں پاسکتا۔ میں اس بارِ عظیم کو محض تیری حفظ و حمایت کے بھروسے پر اُٹھاتا ہوں۔ تو ہی میری مدد کر۔ یہ کہہ کر تاجِ شاہی پہنا۔ مگر ماتمی لباس نہ اُتارا۔ مُقرّبانِ خاص نے تبدیل لباس کے لئے التماس کیا تو فرمایا کہ یہ اُس شخص کے ماتم کا لباس ہے جو میرا باپ اُستاد مُربّی اور آقا تھا۔ ممکن نہیں کہ جاہ و سلطنت کی مسرت اُس کی جُدائی کے غم کو بھلا دے ٭

۵۔ وہ بڑا رعایا پرور نیک منش اور رحمدل بادشاہ تھا۔ پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ تغلق کے زمانے کا زرِ تقاوی جو رعایا کے ذمے واجبُ الادا تھا۔ یک لخت مُعاف کردیا۔ ایک بار اُس نے مُلکِ سندھ پر فوج کشی کی تھی۔ سندھیوں نے شاہی فوج کی تباہی کا یہ سامان کیا کہ فصلِ ربیع کی زراعت جو تیار تھی خود برباد کردی۔ جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو فیروز شاہ نے دُوسرے مُلک سے غلّہ خرید کر منگوا لیا۔ اور

حملہ جاری رکھا۔ اتفاق سے چار ہزار آدمی غنیم کے گرفتار آئے اگرچہ ان لوگوں نے شاہی فوج کو فاقے مارنے کی تدبیر کی تھی۔ مگر اس فیاض نے اُن کو خوب شکم سیر کھانا کھلایا۔

۶۔ یہ بادشاہ تکلف اور اسراف کو بہت ناپسند کرتا تھا۔ خود بھی موٹے کپڑے عام آدمیوں کے سے پہنتا تھا چاندی سونے کے ظروف اور جواہرات کے استعمال کی بھی ممانعت کردی تھی اُس نے نگرکوٹ سے چند فاضل پنڈت بلوا کر سنسکرت کی بعض کتابوں کا ترجمہ فارسی زبان میں کرایا تھا۔ اُس کو عمارتوں کا بھی بڑا شوق تھا۔ سرائیں۔ خانقاہیں۔ مسجدیں اکثر بنوائیں۔ آبپاشی کے لئے نہریں کھدوائیں۔ بے شمار باغات لگوائے۔ کئی شہر آباد کیے۔ چنانچہ جون پور اسی کا آباد کیا ہُوا ہے۔

بعض حرکات اس کی ایسی تھیں۔ جو اُس کے ضعفِ عقل پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً فال۔ شگون اور خواب کی تعبیر کا بڑا معتقد تھا۔ اور اہلکاروں کی رشوت ستانی سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرتا تھا۔

دولت

(۲) خُدا کی تعریف

تعریف اُس خُدا کی جس نے جہاں بنایا!
کیسی زمیں بنائی! کیا آسماں بنایا!
پَیروں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی!
اَور سر پہ لاجُوردی اِک سائباں بنایا!
مٹّی سے بیل بُوٹے کیا خوش نُما اُگائے!
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا!
خوش رنگ اَور خوش بُو، گُل پھُول ہیں کھِلائے!
اِس خاک کے کھنڈر کو کیا گُلستاں بنایا!
میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ، رسیلے!
چکھنے سے جِن کے ہم کو شیریں دہاں بنایا!
سُورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی
کیا خوب چشمہ تُو نے اَے مہرباں! بنایا!
سُورج بنا کے تُو نے رَونق جہاں کو بخشی
رہنے کو یہ ہمارے اچھّا مکاں بنایا!
پیاسی زمیں کے مُنہ میں مینہ کا چُوایا پانی
اَور بادلوں کو تُو نے مینہ کا نشاں بنایا!

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی
قُدرت نے تیری اِن کو تسبیح خواں بنایا
تِنکے اُٹھا اُٹھا کر لائیں کہاں کہاں سے!
کِس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا!
اُونچی اُڑیں ہوا میں بچّوں کو پر نہ بھولیں
اُن بے پَروں کا اِن کو روزی رَساں بنایا
کیا دُودھ دینے والی گائیں بنائیں تُو نے!
چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوش عِناں بنایا
رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں مُیسّر!
اِن نعمتوں کا مجھ کو کیا قدرداں بنایا!
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تُو نے
مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا
ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی
یہ کارخانہ تُو نے کب رائگاں بنایا!

(مؤلّف)

(۳) محنت سونے سے بہتر ہے

۱۔ ایک زمانے میں یورپ کے باشندے جنوبی اِمریکہ کو

اس زمانے سے جایا کرتے تھے۔ کہ کانہائے سیم و زر کے کھوج سے میں اپنی قسمت آزمائی کریں۔ یہی ہوس ملک اسپین کے ایک باشندے کو دامنگیر ہوئی۔ اوّل اپنے بڑے بھائی سے اپنا مقصود بیان کیا۔ اور اصرار کے ساتھ درخواست کی کہ آپ میرے ہمراہ چلیں۔ جو دولت ہاتھ آئے گی۔ بحصہ مساوی باہم تقسیم کرلیں گے ✤

۱۲۔ بڑا بھائی نہایت قانع اور دور اندیش آدمی تھا۔ اس نے تمام نشیب و فراز سمجھا کر کہا کہ "اس ارادے میں کامیابی کی توقع بہت کم ہے"۔ لیکن چھوٹے بھائی پر جب اپنی نصیحت کا کچھ اثر نہ دیکھا تو ناچار اس کی رفاقت پر آمادہ ہو گیا۔ اور کہا کہ "میں تمہاری دولت میں شرکت نہیں چاہتا۔ مجھ کو صرف اتنی اجازت دو کہ کچھ آلات و اسباب اور میرے چند نوکر ساتھ چلیں"۔ اس نے یہ بات مان لی۔ اور جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ بڑا بھائی ساتھ چلے گا۔ تو اس نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ اور خوشی خوشی اپنا تمام مال و اسباب اور جائداد بیچ کھوچ کر ایک جہاز خریدا ✤

۱۳۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو چند اور بوالہوس بھی جو اسی کی طرح مال اور دولت کے حریص تھے۔ اس کے ہم سفر بنے۔ بڑا

بھائی بھی تمام آلاتِ کاشتکاری اُور غلّہ اُور ترکاریوں کے تخم جو بوروں میں بند تھے لایا اور اپنے چند ملازموں سمیت اُس کے جہاز پر جا سوار ہُوا۔ اگرچہ اِس انگڑ کھنگڑ کا لے جانا چھوٹے بھائی کو محض فضول نظر آتا تھا۔ مگر اُس اِقرار کے بموجب جو پہلے ہوچکا تھا۔ عذرو انکار مناسب نہ سمجھا ۔

۴۔ اب جہاز روانہ ہُوا اُور خُدا کے فضل سے ہَوا ایسی مُوافق آئی۔ کہ بغیر کسی حادثہ اُور مُصیبت کے اُس بندرگاہ پر جا لگا۔ جہاں کا عزم کرکے چلے تھے۔ سب مُسافر بخیرو عافیت خشکی پر اُترے۔ بڑے بھائی نے کچھ بھیڑیں اُور بَیل خریدے اُور مع اپنے نوکروں اُور آلات و اسباب کے ایک عُمدہ قطعہ آراضی میں۔ جو ساحل بحر سے مُلحق تھا۔ قیام کیا۔ اور چھوٹے بھائی سے کہہ دیا "مَیں یہاں نہ تو بودو باش کرنے آیا ہُوں۔ نہ دَولت کی طمع مجھ کو لائی ہے۔ بلکہ صرف تُمہاری رفاقت کی غرض سے آیا ہُوں جب تُم سُونا لے کر آجاؤ گے تو مَیں تُمہارے ساتھ وطن کو واپس چلوں گا ۔

۵۔ سُونے کے مُشتاقوں نے کان کھودنے والے مزدور نوکر رکھے اُور سب سامان ضرُوری مُہیّا کرکے اُس نواح کا قصد کیا۔ جہاں سُونا نکلتا تھا۔ اثنائے سفر میں چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی سمجھ پر افسوس کرکے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ "دیکھو! حضرت نے

بیل اور بھیڑیں خریدی ہیں۔ پردیس میں آکر کاشتکاری کا کھٹراگ پھیلایا ہے۔ ہم تو اپنا عزیز وقت یوں اکارت کرنا پسند نہیں کرتے اگر قسمت نے یاوری کی تو اتنا کما لائیں گے۔ کہ کئی پشت تک کافی ہوگا" سب رفیقوں نے اس کی فراست اور ہمت پر آفریں کی۔ لیکن ایک پیر مرد نے سر ہلا کر کہا "میاں! تمہارا بھائی ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو۔ وہ نہایت عاقبت اندیش آدمی ہے۔

۶۔ غرض یہ قافلہ دریاؤں کو عبور کرتا۔ دشوار گزار دروں سے گزرتا سخت بارش اور تیز دھوپ کی تکلیفیں اٹھاتا۔ جابجا کانِ زر کی جستجو میں پھرتا رہا۔ آخر "جوئندہ یابندہ" ایک جگہ سونا افراط سے نکلا۔ اس کامیابی نے ایسا مسرور کیا کہ جس قدر کلفتیں اٹھائی تھیں سب فراموش ہو گئیں۔ مدت تک وہاں کام جاری رکھا۔ لیکن غلے کا ذخیرہ تھوڑا تھا اس لئے خوراک میں کمی کرنی پڑی۔ اور جب غلہ بالکل نبڑ گیا۔ تو بھی ان لوگوں نے دولت کی خوشی میں ہمت نہ ہاری جنگل کی جڑی بوٹی کھا کر دن کاٹے۔ اور جتنا سونا جمع کیا تھا۔ اس کو لے کر بندرگاہ کی طرف جوں توں کر کے مراجعت کی۔ لیکن فاقے کی صعوبت سے چند ہمراہی اثنائے راہ میں راہیِ عدم ہو گئے۔

۷۔ اس عرصے میں بڑے بھائی نے اپنے نوکروں کی اعانت سے زراعت کا ڈول ڈالا۔ اس کی سعی و محنت نے جس کے ساتھ

سلیقہ اَور تجربہ بھی شامل تھا۔اِس ویرانہ جنگل کو باغ و بہار اَور لالہ زار بنا دیا۔ خُدا کی عنایت سے فصل اچھی ہوئی۔ ہر جنس کا غلّہ اَور ہر قِسم کی ترکاریاں اِفراط سے پَیدا ہوئیں۔ بھیڑوں نے اتنے بچّے دیے کہ ایک بڑا گلّہ ہوگیا۔ دُودھ مکّھن اَور پنیر کی کچھ کمی نہ رہی اُس کے نوکروں نے وقتِ فرصت میں سمندر کی مچھلیوں کا شکار کیا اَور نمک سُود کرکے ایک انبار جمع کر لیا۔

۸۔جب چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے پاس پہنچا تو اُس کی اَور اُس کے باقی ماندہ ہمراہیوں کی حالت بہت نازک تھی۔ وہ روز سے فاقے پر فاقہ کیا تھا۔ پہلی بات جو اُس مصیبت زدہ گروہ نے کہی۔ وہ کھانے کا سُوال تھا۔

۹۔بڑے بھائی نے اُن کے واپس آنے سے خوشی تو ظاہر کی اور اُن کو زندہ اَور سلامت پہنچنے کی مُبارک باد بھی دی۔مگر کھانے کا سوال سُن کر ایسا رُوکھا جواب دِیا جو رِشتہ داری اَور ہم وَطنی ہی کے خلاف نہ تھا۔ بلکہ انسانیت اور خُدا ترسی سے بھی ظاہرا بعید معلُوم ہُوا۔ اُس نے کہا ”سُنو صاحِبو! جب تمہاری دَولت سے مجھ کو کچھ سروکار نہیں تو میری کمائی سے تم کو کیا واسطہ؟ جو دانہ دُنکا میں نے اپنی قوّت بازُو سے پیدا کیا ہے مَیں کیوں مُفت دے دُوں؟ اگر تُم کو

ایسی ہی احتیاج ہے۔ تو سونا دو اور کھانا لو" ۔

١٠۔ اِس کج خلقی۔ نا مہربانی اور بے رحمی پر اُن لوگوں کو بڑا طیش آیا۔ مگر بھوک کے مارے لبوں پر دم آ رہا تھا۔ ناچار سونے کی ڈلیاں دے کر خریدا۔ اور اپنی جان بچائی ۔

اِسی طور سے ہر روز خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اُن کا تمام سونا حوائج ضروری کے بہم پہنچانے میں صرف ہو گیا ۔

١١۔ جب بڑے بھائی کو معلوم ہوا کہ اِن لوگوں کا سرمایہ سب ختم ہو چکا ہے تو کہا "آج کل موسم اچھا ہے۔ ہوا بھی موافق چل رہی ہے بہتر ہے کہ یہاں سے جہاز کا لنگر اُٹھاؤ۔ اور وطن پہنچ کر اہل و عیال کی خبر لو۔ خدا جانے اُن پر کیا گزری اور تمہارے اِنتظار میں اُن بے چاروں کا کیا حال ہوا ؟

١٢۔ چھوٹے بھائی نے نہایت ملول ہو کر جواب دیا کہ "جو کچھ اپنی جان کھپا کر۔ اور صعوبتیں اُٹھا کر ہم نے کمایا۔ وہ تو سب کا سب آپ کی نذر کر چکے۔ اب خالی ہاتھ کیا جائیں۔ اور یگانوں بیگانوں کو کیا منہ دکھائیں ؟ اور تم جیسے سنگ دل آدمی کے ساتھ جانے سے تو یہیں مر رہنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

١٣۔ یہ رنج آمیز اور مایوسانہ باتیں سُن کر بڑا بھائی ہنستا

ہوا اُٹھا۔ اور سارا سونا لا کر چھوٹے بھائی اور اُس کے ساتھیوں کے حوالہ کر دیا۔ اور کہا "لو تمہاری دولت تم کو مبارک ہو۔ میں اِس کا خواستگار ہرگز نہیں ہوں۔ جو بے مروّتی اور کج اَدائی میں نے برتی اُس میں یہ مصلحت تھی کہ تم اپنی غلطی سے متنبّہ ہو جاؤ اور ہمیشہ اِس نصیحت کو یاد رکھو کہ "محنت سونے سے بہتر ہے" ؞

۱۴۔ آخرکار سب لوگ خوش و خرّم اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ چھوٹے بھائی نے گھر پہنچ کر چاہا کہ اپنے سونے میں سے نصف حصّہ بڑے بھائی کو دے۔ مگر اُس عالی ہمّت نے پھر وہی جواب دیا کہ "محنت سونے سے بہتر ہے" ؞

(۴) کوشش کیے جاؤ

دُکاں بند کر کے رہا بیٹھ جو — تو دی اُس نے بالکل ہی لٹیا ڈبو
نہ بھاگو کبھی چھوڑ کر کام کو — توقّع تو ہے خیر جو ہو سو ہو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

جو پتھر پہ پانی پڑے متّصل — تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سِل
رہو گے اگر تم یوں ہی مستقل — تو اِک دن نتیجہ بھی جائے گا مِل
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب تو کیا دو گے کل امتحاں میں جواب
نہ پڑھنے سے بہتر ہے پڑھنا جناب! کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو! جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اٹھاؤ۔ مصیبت بھرو طلب میں جیو جستجو میں مرو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

جو تم شیر دل ہو تو تاڑو شکار کہ خالی نہ جائے گا مردوں کا وار
مشقت میں باقی نہ رکھنا ادھار جو ہمت کرو گے تو بیڑا ہے پار
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

جو بازی میں سبقت نہ لیجاؤ تم خبردار! ہرگز نہ گھبراؤ تم
نہ ٹھٹکو نہ جھجکو نہ پچھتاؤ تم ذرا صبر کو کام فرماؤ تم
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

مقابل میں تم ٹھوک کر آؤ۔ ہاں! پچھڑنے سے ڈرتے نہیں پہلواں
کرو پاس تم صبر کا امتحاں نہ جائے گی محنت کبھی رائگاں
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

تردد کو آنے نہ دو اپنے پاس ہے بیہودہ خوف اور رنج و ہراس
رکھو دل کو مضبوط قائم حواس کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ آس
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

کرو شوق و ہمت کا جھنڈا بلند　　کداؤ اُولُوا العزمیوں کا سمند
اگر صبر سے تم سہو گے گزند　　تو کہلاؤ گے ایک دن فتحمند
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو (مؤلف)

(۵) اہلیا بائی

ا- یہ نیک سیرت بائی سیندھیا کے خاندان سے تھی ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئی - میانہ اندام سبزہ رنگ اور اِکہرے بدن کی عورت تھی - گو چنداں خوبصورت نہ تھی - مگر خدا نے اُس کو فہم کامل ہمتِ عالی اور صفاتِ حمیدہ عطا کی تھیں - جن کے آگے حُسنِ ظاہری کچھ حقیقت نہیں رکھتا +

۲- ملہار راؤ ہلکر کے بیٹے سے اُس کی شادی ہوئی - ابھی بیس برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بیوہ ہو گئی - اُس کا شوہر اپنے باپ کے سامنے ہی اِس جہان سے اِنتقال کر گیا - صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی یادگار چھوڑے - ملہار راؤ کی وفات کے بعد اُس کا پوتا جانشین ہوا - مگر نو مہینے کے بعد وہ بھی راہی عدم ہوا اِس لئے دھرم شاستر کی رُو سے اہلیا ریاست کی وارث ٹھہری ۱۷۶۵ء میں اُس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی - اُس وقت اُس کی عمر ۳۰ برس سے زیادہ نہ تھی +

۳۔ کہتے ہیں کہ اُس نے خزانِ سلطنت پر مُتصرّف ہوکر تمام روپیہ آسائشِ خلق اَور رفاہِ عام کے لئے وقف کردیا تھا۔ وُہ اپنے عِلاقے کا اِنتظام خود کرتی تھی۔ اَور چاہتی تھی کہ حِلم اَور اِنصاف کے ساتھ حُکمرانی کرکے اپنے مُلک کی حالت کو بہتر اَور رعایا کو مُرفہ حال کرے۔ ساہوکاروں اَور تاجروں زمینداروں اَور کاشتکاروں کی ترقّی۔ جس قدر اُس کے دِل کی خوشی کا باعث تھی۔ اُتنی کوئی اَور چیز نہ تھی ✣

۴۔ سب سے افضل یہ وصف تھا کہ وُہ غیر مذہب والوں کے ساتھ زیادہ مہربانی سے پیش آتی تھی۔ اُس کی اِنصاف پروری اَور مُعدلت ہی کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ اُس کا مُلک غنیم کے حملے سے محفوظ اَور اندرونی فتنہ فساد سے پاک صاف رہا ✣

۵۔ یوں تو ہر ادنیٰ اعلیٰ کے ساتھ اُس کا برتاؤ نیک تھا لیکن غریب اَور محنتی آدمیوں کے حال پر اَز خُد توجّہ کرتی تھی وہ اپنے ہی عِلاقے میں دان پُن نہ کرتی تھی۔ بلکہ اُس کا فیض عالمگیر تھا ہندُوؤں کے جتنے تیرتھ جاترا ہیں سب مقامات پر اُس نے مندر بنوائے تھے۔ اَور سالانہ خیرات بھی وہاں بھیجا کرتی تھی ✣

۶۔ اُس کا دستور تھا کہ تمام مقدّمات آپ سُنتی ہر مُستغیث

اُس کے دربار میں باریاب ہوتا۔ اُس کا قول تھا کہ "مجھے اپنے تمام افعالِ حکومت کا حساب خدا کو آپ دینا پڑے گا" ۔

۷۔ اُس کی پوجا پاٹ اور ریاضت کے کاموں میں بجز کسی خاص ضرورت کے کبھی فرق نہ آتا تھا۔ سب لوگ تہِ دل سے اُس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ نہ صرف اُس کے ہم قوم بلکہ غیر قوم والے بھی اُس کو ایسا ہی مانتے تھے۔ نظامِ دکن اور ٹیپو سلطان بھی اُس کی ایسی ہی عزت کرتے۔ جیسی کہ پیشوا کرتا تھا ۔

۸۔ ان باتوں کے سوا ایک بڑی قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ خوشامد سے اُس کو نفرت تھی۔ چنانچہ ایک برہمن اُس کی تعریف میں کتاب بنا کر لایا۔ جب تک وہ پڑھتا رہا خاموش بیٹھی سُنا کی مگر جب وہ ختم کر چکا۔ تو کہا کہ "بھلا میں ضعیف العقل اِس صفت و ثنا کی مستحق کب ہوں"؟ یہ کہہ کر وہ کتاب دریائے نربدا میں ڈلوادی اور اُس برہمن کی طرف مطلق التفات نہ کیا ۔

۹۔ آخرِ عمر میں اُس کو اپنی بیوہ دختر کے ستی ہو جانے کا سخت صدمہ اُٹھانا پڑا۔ ۱۷۹۵ء میں جب اُس کی عمر ۶۰ سال کی تھی اُس نے نہایت فیاضانہ اور منصفانہ حکومت کے بعد اِس عالم سے رحلت کی ۔

(۶) پندِ سُود مند

کرے دُشمنی کوئی تُم سے اگر
جہاں تک بنے۔ تُم کرو درگزر

کرو تُم نہ حاسد کی باتوں پہ غور
چلے جو کوئی اُس کو جلنے دو اَور

اگر تُم سے ہُو جائے سرزد قصور
تو اقرار و توبہ کرو بالضّرور

بدی کی ہو جس نے تمہارے خلاف
جو چاہے مُعافی۔ تو کر دو مُعاف

نہیں! بلکہ تُم اور احساں کرو
بھلائی سے اُس کو پشیماں کرو

ہے شرمندگی اُس کے دِل کا علاج
سزا اَور ملامت کی کیا احتیاج

بھلائی کرو۔ تو کرو بے غرض
غرض کی بھلائی تو ہے اِک مرض

جو محتاج مانگے تو دُو تُم اُدھار
رہو واپسی کے نہ اُمیدوار

جو تُم کو خُدا نے دِیا ہے۔ تو دُو
نہ خِسّت کرو اِس میں جو ہُو سُو ہُو

(مؤلّف)

(۷) سُلطان ناصرُ الدّین

۱۔ دِلّی کے بادشاہوں میں سُلطان ناصرُ الدّین بڑا نیک اَور خلیق شُجاع۔ عابد اور سخی تھا۔ اُس کا دربار اَور سلطنت کا ساز و سامان تو نہایت شاندار تھا۔ مگر اپنی بُود و باش کا خاص محل نہایت سادہ اور بے تکلّف تھا۔ اور بادشاہوں کی طرح

اُس کی حرم سرا بیگمات اَور کنیزوں کی چھاؤنی نہ تھی۔ صرف ایک بیگم تھی۔ وہی بے چاری گھر کا سب کام کاج کرتی۔ کھانا بھی اپنے ہاتھ سے پکاتی۔

۲۔ ایک روز اُس نیک بخت بی بی نے سلطان سے درخواست کی کہ "ایک لونڈی باورچی خانے کا کام کرنے کو خرید لیجیے تو بہتر ہو روٹیاں پکانے سے میرے ہاتھ جھلستے ہیں"۔ سلطان نے جواب دیا "شاہی خزانہ رعایا کا مال ہے۔ میرا حق اُس میں کچھ نہیں کہ روپیہ لے کر لونڈی خریدوں میرا ذاتی خرچ قرآن شریف کی کتابت سے چلتا ہے۔ اُس میں صرف کھانے پہننے کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ اے بیگم! تو صبر کے ساتھ اِس مشقت کو برداشت کر اُمید ہے کہ خدا آخرت میں اِس کا اَجر دے گا"۔

۳۔ تمام عمر اِس بادشاہ کی فقیرانہ بسر ہوئی۔ ہمیشہ عبادتِ الٰہی اَور پرہیزگاری میں مشغول رہا۔ اپنے مصارف کے واسطے سلطنت کے خزانے سے اُس نے کبھی ایک حبّہ نہیں لیا۔ صرف قرآن مجید کی کتابت پر اوقات بسر کی۔

ایک بار کسی امیر نے اِس خیال سے کہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن ہے۔ معمول سے زیادہ دام دیے۔ یہ اَمر سلطان کو ناگوارِ خاطر ہوا۔ اِس لئے آئندہ سے

خفیہ طور پر تہیہ کرنے کا اہتمام کیا ❖

۴۔ اسی بادشاہ کے عہد سلطنت میں ہلاکو خاں مغل کا ایلچی آیا تھا۔ اس کے استقبال کو سلطان کا وزیر بلبن بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر دہلی سے نکلا۔ جس کی جلو میں پچاس ہزار سوار دو لاکھ پیادے اور دو ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ اس وقت طبل و نقارہ کی صدا۔ نفیریوں کا شور۔ ہاتھیوں کا چنگھاڑنا۔ گھوڑوں کا ہنہنانا۔ ہتھیاروں کا چمکنا۔ آتش بازی کا چھوٹنا۔ ایسا عجیب ہنگامہ تھا۔ جس نے مغل سفیر کے دل پر بڑا اثر کیا۔ جب اس کو سلطانی دربار میں بار ملا۔ تو بارگاہ کی آرائش اور اس میں عالیجاہ شاہزادوں۔ ذی شان امیروں اور ہند کے راجا مہاراجوں کا ہجوم دیکھ کر اور بھی دنگ رہ گیا ❖

(۸) میرا خدا میرے ساتھ ہے

ہے ہمیشہ مری خدا پہ نظر ‏ ‏ رات ہو دن ہو شام ہو کہ سحر
نہ اجالے میں ہے کسی کا ڈر ‏ ‏ نہ اندھیرے میں کوئی خوف و خطر
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

شام کا وقت یا سویرا ہو ‏ ‏ چاندنی ہو کہ گھپ اندھیرا ہو
مینہ نے آندھی نے مجھ کو گھیرا ہو ‏ ‏ لیک پر ہول دل نہ میرا ہو

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب کہ طوفان کا ہو سناٹا سخت آندھیاؤں کا چلے جھونکا
جڑ سے پیڑوں کو دے اُکھیڑ ہوا میرے دل میں نہ خوف ہو اصلا
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ٹوٹ کر آسمان سے تارے شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے
وہم کرتے ہیں لوگ بیچارے میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

چاند سورج کا دیکھ کر گہنا! میرے ہمجولیوں کو ہے کھٹکا!
لوگ کرتے ہیں خوف کا چرچا پر مجھے اس کی کچھ نہیں پروا
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

میرے رستے میں ہو اگر میدان یا پرانا کوئی کھنڈر سنسان
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستان نہ خطا ہوں وہاں مرے اوسان
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ہو بیابان میں گذر میرا یا سمندر پہ ہو سفر میرا
دور رہ جائے مجھ سے گھر میرا رہے پھر بھی قوی جگر میرا
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب کہ دریا میں آئے طغیانی! اور ہاتھی ڈباؤ ہو پانی!
پار کھیوا نہ ہو یہ آسانی! مجھ کو اندیشہ ہو نہ حیرانی!

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ
لشکروں کی جہاں چڑھائی ہو — شہ سواروں نے باگ اٹھائی ہو
اور گھمسان کی لڑائی رہو — واں بھی ہیبت نہ مجھ پہ چھائی ہو
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

(مؤلف)

(۹) ریلوے انجن کا موجد "جارج اسٹیفنسن"

۱۔ اب سے ایک صدی قبل نیوکاسل کے قریب کسی موضع میں ایک مزدور رہتا تھا۔ آمد قلیل عیال کثیر بہ مشکل گزران ہوتی۔ سنہ ۱۷۸۱ء میں اس کے ایک اور بچہ پیدا ہوا۔ عسرت کی وجہ سے کم سنی ہی میں مزدوری پر لگا دیا۔ شام کے وقت کوئلوں کے احاطے کا پھاٹک بھیڑ دیتا اور دو پیسہ روز پاتا۔ پھر شلجم کھودنے لگا جس کی اجرت ڈیڑھ پیسہ یومیہ تھی۔

۲۔ ایک دن اس لڑکے کی بڑی بہن ٹوپی خریدنے نیوکاسل کو چلی۔ لڑکا تھا ان دنوں ٹھالی۔ بہن کے ساتھ ہو لیا۔ بہت جستجو کے بعد لڑکی کو ایک ٹوپی پسند آئی۔ قیمت پوچھی تو اکٹھے دو آنے بھلا اس بے چاری کے پاس اتنے دام کہاں؟ دوکان دار سے کمی قیمت کی خواہش کی مگر بے سود۔ ناچار آگے بڑھی

پر کہیں خاطر خواہ ٹوپی نہ پائی۔ پھر واپس آئی اور حسرت بھری نگاہوں سے اُسی ٹوپی کو تکنے لگی۔

۳۔ دفعتاً جارج بولا "بہن! ذرا یہیں ٹھہری رہنا!" یہ کہہ کر چل دیا راہ دیکھتے دیکھتے پورے چار گھنٹے ہو گئے۔ لڑکی بیچاری بہت گھبرائی کہ ضرور میرے بھائی پر کوئی آفت آئی اسی تشویش میں تھی کہ جارج ہانپتا ہُوا دوڑا چلا آ رہا ہے۔ دُور ہی سے چلایا "لو بہن پیسے لایا" جارج نے امیروں کے گھوڑے تھام کر یہ پیسے کمائے تھے۔ اور اسی کام میں اتنی دیر لگی تھی۔ مگر آفریں! اُس کی ہمت پر کہ بغیر کام پورا کیے نہ پھرا اب دونوں خوش خوش دُکان میں گئے۔ دام حوالے کیے اور ٹوپی لے کر بڑے فخر کے ساتھ اپنے گاؤں کو واپس آئے۔

۴۔ جب جارج چودہ برس کا ہُوا تو اپنا آبائی پیشہ اختیار کیا۔ یعنی کان کے اندر کوئلہ کھودنے لگا جس کی مزدوری آٹھ آنے فی یوم تھی۔ شراب خوری اور کھیل تماشوں سے اُسے سخت نفرت تھی۔ ابھی تک وہ محض ناخواندہ تھا۔ مگر علم و فن کا ایسا شائق کہ اپنے مسکن سے چار میل کے فاصلے پر ایک بڑے میاں پاس حساب سیکھنے کبھی کبھی جاتا۔ بیس سال کی عمر تک خاصہ محاسب بن گیا۔

۵ - اِس اَثنا میں وہ اپنے کام میں بھی ترقّی کرتا رہا - اَور زیادہ مزدوری پانے لگا - اپنی شادی بھی کر لی - اُس زمانے میں کتابوں کی قیمت گراں تھی - اِتنا بس اَنداز نہ ہوتا کہ پڑھنے کے لئے کتابیں خرید سکے - اِس لئے موچی اور درزی کا پیشہ کرنے لگا - جوتیاں بھی بناتا اور کوٹ بھی سیتا - اِن دو پیشوں کی آمدنی سے گھر کا کام چلاتا اور جو بچتا اُس کی کتابیں خرید لیتا *

۶ - کچھ عرصے کے بعد وہ اِنجن چلانے والے کا نائب ہو گیا اُس کے کل پرزوں پر خوب غور کیا - اَور کامل واقفیّت حاصل کرنے کے بعد نمونے کے طور پر ایک اِنجن اپنے ہاتھ سے بنایا اُس میں ایک ایسی ایجاد کی کہ پہلے اِنجنوں سے اُس کا اِنجن زیادہ کام دینے لگا - اب اُس کی تنخواہ بارہ روپئے فی ہفتہ ہو گئی *

۷ - ایک بار اِتّفاقاً اُس کے گھر میں آگ لگی ہمسایوں نے آگ تو بجھا دی - مگر اِس ہنگامے میں اُس کی گھڑی جو سارے اثاثہ میں ایک عزیز چیز تھی - خراب ہو گئی - اُس کی درستی میں روپیہ بہت صرف ہوتا تھا - ناچار اپنے ہاتھ سے اُس کو ٹھیک ٹھاک کر کے چلتا کیا پھر تو سب محلّے والے اپنی گھڑیاں اُس سے صاف کرانے لگے موچی اَور درزی کے علاوہ جارج گھڑی ساز بھی مشہور ہو گیا *

۸ - اب جارج کو پھر ترقّی ملی اَور وہ اِنجن کا افسر مقرر ہوا

جہاں یہ کام کرتا تھا۔ اُس کے قریب ہی ایک اَور کان تھی اُس میں اِتنا پانی بھرا کہ کام مسدُود ہو گیا۔ مُہتمم کارخانہ سخت مایوسی کی حالت میں تھا۔ جارج بھی دیکھنے کو گیا۔ اور بہت ہی غور و خوض کر کے بولا "ایک ہفتے میں اس کو خشک کر سکتا ہوں"۔ غرض وُہ کام جارج کو سپُرد ہُوا تو دو ہی دِن میں کَل کے ذریعہ سے سارا پانی کھینچ ڈالا۔ اِس خدمت کے صلے میں اُس کو ہزار رُوپئے کا اِنعام اور چیف انجینئری کا عُہدہ مِل گیا ٭

۹۔ ۱۸۱۲ء میں وہ اِنجن سازی کے کام پر مُتقرر ہُوا۔ جب تک متحرک اِنجن اِیجاد نہیں ہُوا تھا۔ نہایت درجہ کی غور و فکر کر کے اُس نے ایک چلتا ہُوا اِنجن بنا کھڑا کیا۔ جو ۱۵ جولائی ۱۸۱۴ء کو چلایا گیا۔ وہ پان سَو مَن کے آٹھ چھکڑے فی گھنٹہ چار میل کی رفتار سے لے جانے لگا۔ پھر ایک اَور اِنجن پہلے سے بھی بہتر بنایا۔ سب لوگ اُس کو حیرت کی نظر سے دیکھتے اَور کہتے کہ ایک نہ ایک دِن یہ ضرُور پھٹے گا ٭

۱۰۔ اُس زمانے میں ایک امیر آدمی کوئلہ کی کان کا مالک تھا اُس کو کان سے جہاز تک کوئلہ پہنچانے کی اَشد ضرورت تھی اِتفاقاً جارج سے مُلاقات ہو گئی۔ اُس نے ترغیب دی کہ

تم کہو تو کان سے جہاز تک ریلوے بنا دوں ! وہ راضی ہو گیا۔ چنانچہ ۲۷ ستمبر ۱۸۲۵ء کو وہ بارہ میل کی سڑک کھولی گئی ❊

۱۱۔ اسی وقت میں لور پول اور مانچسٹر والوں کو بھی مال تجارت کے جلد لانے لے جانے کی فکر لگی ہوئی تھی اوّل تو یہ تجویز ٹھہری کہ چند چھکڑوں کی قطار گھوڑوں سے کھنچوائی جائے جارج سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔اُس نے صلاح دی کہ "ریل کی سڑک بناؤ اور متحرک انجن سے کام لو" ❊

۱۲۔ یہ بات لغو سمجھی گئی۔ لوگوں نے اعتراض کیا "کہ ان مہیب انجنوں کا دھواں ہوا کو زہریلا بنا دے گا۔ اُن کے شعلے نباتات اور زراعت کو تباہ۔ اور نفس پوش گھروں کو خاک سیاہ کر دیں گے۔ جارج تو دیوانہ ہے۔ اُس کو متحرک انجن ہی کی دھن لگی ہوئی ہے" مگر فرقۂ تجار نے زر کثیر جمع کر کے جارج کو کام شروع کرنے کی اجازت دے دی۔ اوّل رستے کی پیمائش کے لئے ایک گروہ مقرر ہوا۔ وہ اپنا کام رات کو کیا کرتا کیونکہ دن میں قرب و جوار کے گنوار اُن پر پل پڑتے تھے۔ جن کو زمینداروں اور تعلقہ داروں نے اُبھار دیا تھا ❊

۱۳۔ بارے خدا خدا کر کے پیمائش کا کام ختم ہوا اور پارلیمنٹ میں ریل بنانے کی غرض سے ایک قانون پیش کیا گیا۔ مگر فوراً

نامنظور ہوا۔ ممبران پارلیمنٹ نے کہا "ہم واقف ہیں کہ اس رستے میں ایک عمیق دلدل ہے۔ جس کی تھاہ آج تک نہیں ملی یہ کون دیوانہ ہے جو اس پر ریل بنانی چاہتا ہے" جارج کا دعویٰ تھا کہ امر ممکن ہے۔ آخر دو نامی انجنیروں نے اس کی رائے کی تصدیق کی۔ وہی بل مکرر پیش ہو کر منظور ہو گیا۔ الاّ عام لوگ اس کام کے حامیوں کو خبط الحواس ہی کہتے رہے ؛

۱۵۔ جب سڑک مکمل ہو چکی تو ڈائرکٹروں نے اشتہار دیا کہ جو انجنیر فی گھنٹہ دس میل چلنے والا انجن بنائے گا اس کو پانچ ہزار روپئے کا انعام دیں گے۔ جارج نے بھی اپنے بیٹے کی اعانت سے ایک انجن تیار کیا۔ امتحان کے روز چار انجن پیش ہوئے ہر ایک کی رفتار دیکھی گئی۔ جارج کا انجن جو گھنٹے میں کبھی۲۹ تیس۳۰ میل چلا۔ سب سے سبقت لے گیا۔ حکم ہوا کہ ایسے ہی آٹھ انجن اور بناؤ۔ بالجملہ ۱۵ ر ستمبر ۱۸۳۰ء عیسوی کو "مانچسٹر" اور "لورپول" کے درمیان ریلوے کھولی گئی اکثر نامی گرامی امرا اس وقت موجود تھے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر جارج اور اس کے بیٹے کو عوام الناس پھر بھی وہمی۔ خبطی دیوانہ اور پاگل ہی کہتے رہے ؛

(۱۰) جنگل اور چاندنی رات

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر — وہ بُراق سا ہر طرف دشت و در
وہ اُجلا سا میدان چمکتی سی ریت — اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے — خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایہ سے مہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
نظر جو کر پڑتی تھی بوٹی جڑی — سو وہ عالمِ وجد میں تھی کھڑی
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا — لگی بولنے وجد میں واہ وا!

(میر حسن)

(۱۱) تحمل اور وفائے وعدہ

۱۔ ایک بار سلطان فیروز تغلق نے بنگالے پر فوج کشی کی تھی اس مہم میں اس کا بیٹا فتح خاں بھی ہم رکاب تھا۔ شہزادہ اگرچہ صغیر سن تھا۔ مگر اور بچوں کی طرح اسے لہو و لعب کا شوق بالکل نہ تھا۔ صبح سے دوپہر تک اور شام سے پہر رات گئے تک نوشت و خواند میں مصروف رہتا۔ مجلس داری اور سواری کے اوقات میں جو امور پیش آتے۔ ان کو اس خوبی سے فیصل کرتا کہ بڑے بڑے ذی عقل سن رسیدہ حیران رہ جاتے۔

۲۔ ایک روز نیند کا غلبہ ہُوا۔ مکتب سے اُٹھ محلّ خاص کو چلا۔ راہ میں ایک پیر زال دُہائی دیتی سامنے آئی اَور کہا کہ "میرا شوہر اَور لڑکا سُنار گانوں سے کچھ مال خرید کر لشکرِ سُلطانی میں بیچنے کو لا رہے تھے۔ یکایک ڈاکو ٹوٹ پڑے اَور سب مال متاع لوٹ لیا اَور جب وہ مُصیبت کے مارے لُٹ کھسُٹ کر شاہی لشکر کے قریب پہنچے ہیں۔ تو سپاہیوں نے جاسوسی کے شُبہ میں گرِفتار کرلیا۔ اب یہ بے کس۔ بے وارثی بُڑھیا داد خُواہی کے لئے تیرے پاس آئی ہے"۔

۳۔ نیک بخت شہزادہ۔ بُڑھیا کا درد ناک ماجرا سُن کر بہت کُڑھا اَور بولا "اچھا مائی! اگر تو سچّی ہے تو دو گواہ لا۔ جو تیرے بیان کی تصدیق کریں"۔ بڑھیا بولی "بیٹا! گواہ تو بہت ہیں پر مَیں ڈرتی ہوں کہ آنے جانے میں دیر لگی تو پھر تم تک رسائی دشوار ہوگی"۔ شہزادہ نے ہنس کر کہا "خیر! مَیں اِسی جگہ کھڑا ہوں تم جاؤ اَور اپنے گواہ لاؤ"۔

۴۔ غرض بُڑھیا چلی گئی اور شہزادہ مُنتظر کھڑا رہا خادموں نے عرض کیا کہ "مُبادا اِتمازتِ آفتاب باعثِ مضرّت ہو۔ اگر فلاں درخت کے سایہ میں قیام کیجئے تو مُناسب ہے"۔ مگر شہزادہ نے وہاں سے قدم اُٹھانا خِلافِ وَعدہ سمجھا۔ دھوپ کی سختی کو بَرداشت

گیا اَور وہیں کھڑے کھڑے بُڑھیا کے گواہوں کا بیان سُنا۔ اَور جب یقین ہو گیا کہ بُڑھیا سچّی ہے تو اُس کو ساتھ لے کر باپ کے پاس گیا لیکن بادشاہ سوتا تھا۔ اِس لئے شہزادہ کو اُس وقت تک اِنتظار کرنا پڑا۔ جب تک کہ وُہ بیدار ہُوا اَور کیفیّت واقعہ سُن کر اُن دونوں کی رہائی کا حُکم دیا +

۵۔ اِس کام میں شہزادہ کو اِتنی دیر لگی کہ اُس دن دوپہر کا کھانا قریب شام کے کھایا۔ اگر وہ صبر و تحمّل کے ساتھ اِس تکلیف کو گوارا نہ کرتا۔ تو وہ لا زوال خوشی جو ایک مظلوم کی داد رسی سے حاصل ہوئی۔ کھانے اَور سونے سے ہرگز نصیب نہ ہوتی +

(۱۲) آم کی تعریف

کیوں نہ درختوں میں ہو وُہ سربلند — اُس کا ہے پھل شاہ و گدا کو پسند
ہند کے سب میووں کا سردار ہے — رونق ہر کوچہ و بازار ہے
جو صفاہانی اُسے اِک بار کھائے — میوے صفاہاں کے سبھی بھول جائے
اَور مٹھائی جو کبھو اِک ذری — کھائیے اِک بار تو پھر جائے جی
آم میں ہے ایک حلاوت عجب — رہتی ہے اُس کی تو ہمیشہ طلب
پیٹ بھرے جی نہ پر اُس سے بھرے — آدمی پھر کھائے نہ تو کیا کرے؟

ہوتا ہے شیریں تو بہت پال کا
لیک ہے چھلکے کا بھی طرفہ مزا
میووں میں ہے فوقیت اُس کے تئیں
باغ میں پھر کیوں نہ ہو بالانشیں؟
شوخ یہ سیندور یے کا رنگ ہے
سیب سمرقند بھی یاں دنگ ہے
میووں میں ہے بس وہی ہر دلعزیز
سیب غلام اُس کا بہی ہے کنیز

میر شیر علی افسوس

(۱۴) سلطان جلال الدین خلجی

۱- جلال الدین عہدِ بلبن کے سرداروں میں سے تھا۔ جب بلبن کا پوتا کیقباد مے نوشی کی کثرت سے لقوہ - فالج میں مبتلا ہو کر مرگیا تو جلال الدین تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد کوشک لعل میں گیا جو سلطان بلبن کا دیوان خاص تھا۔ وہاں پہنچ کر دستورِ قدیم کے موافق گھوڑے سے اُتر پڑا۔ مقربانِ خاص میں سے ایک نے سبب پوچھا۔ تو کہا کہ "میں اِس مکان کا ادب اِس لئے کرتا ہوں کہ وہ میرے آقا کا بنوایا ہوا ہے مجھے اپنی جان کے خوف سے مجبوراً بادشاہ بننا پڑا ورنہ میں کہاں اور تختِ شاہی کہاں؟

۲- وہ اپنے قدیم دوستوں سے ہمیشہ اُسی بے تکلفی کے ساتھ ملتا رہا۔ جو حصولِ سلطنت سے پہلے تھی نہایت سادہ مزاج

راستباز اور رحمدل آدمی تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اُس کی رحمدلی سلطنت کے نظم و نسق میں بھی خلل انداز ہوتی تھی چنانچہ ایک بار قلعۂ رن تھنبور کو فتح کرنے سے بصرف اس واسطے چھوڑ دیا کہ بندگانِ خدا کا خون نہ بہے ✤

۳۔ وُہ اکثر موقعوں پر قہر و غضب کے بجا سے۔ احسان و مروّت سے کام لیتا تھا۔ چنانچہ باغیوں کے ساتھ وُہ سلوک کیا جو وفادار جاں نثار دوستوں کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ اس بادشاہ نے سلطان بلبن کے بھتیجے کو کڑا مانک پور جاگیر میں دے دیا تھا۔ مگر کسی سبب سے وہ باغی ہو گیا اور بادشاہی فوج سے مقابلہ کر بیٹھا ✤

۴۔ آخر کار وُہ اور اُس کے رفقا گرفتار کرکے بادشاہ کی حضور میں لائے گئے۔ اِس خدا ترس۔ رحمدل بادشاہ نے فوراً سب قیدیوں کی مشکیں کھلوا دیں۔ اُن کو غسل کرایا۔ نیا لباس پہنایا عطر لگایا۔ اور نہایت لطف و عنایت سے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا ✤

۵۔ جب آب و طعام سے فراغت پا چکے تو باغی جاگیردار کے رفیقوں سے خطاب کیا کہ "اگرچہ تم میری فوج سے لڑے ہو۔ مگر میں تمہاری اُس وفاداری اور نمک حلالی سے نہایت خوش ہوا

جو تم نے اپنے آقا کی رفاقت میں کی ہے"۔ غرض اتنی خاطر مدارات کی کہ وہ لوگ اپنے کردار سے بہت نادم اور منفعل ہوئے اس کے بعد ان کا قصور معاف کیا اور بلبن کے بھتیجے[1] کو ملتان کے علاقے میں جاگیر دے کر رخصت کر دیا۔

(۱۴) دو مکھیاں (از مؤلف)

ایک مکھی کہ ہے نری احمق
فکرِ انجام اسے نہیں مطلق

کوتہ اندیش لالچی۔ نادان
دیتی پھرتی ہے مفت اپنی جان

گری شیرے پہ حرص کے مارے
پاؤں اور پر لتھڑ گئے سارے

آنکھ اس کے ہیے کی پھوٹ گئی
اکھڑے بازو تو ٹانگ ٹوٹ گئی

آخرش پھنس کے رہ گئی مکھی
کیا حماقت کی چاشنی چکھی!

ایک مکھی ہے سخت دور اندیش
سوچ لیتی ہے کام کا پس و پیش

اس پہ غالب نہیں ہوسنا کی
گرمِ پرواز ہے بہ چالاکی

کہیں مصری کی جب ڈلی پائی
تو بہ آہستگی اتر آئی

گرچہ اس کام میں لگی کچھ دیر
چاٹ کر ہو گئی۔ مگر وہ سیر

سیر ہوتے ہی اڑ گئی پھر پھر
دور بیٹھی کا اس کو یاد ہے گر

کس مزے سے گذارتی ہے دن
گیت گاتی ہے شکر کا بھن بھن

---

[1] بلبن کے بھتیجے کا نام "علاء الدین عرف" ملک چھجو" تھا۔ مؤلف۔

(۱۵) شیر شاہ سوری

۱۔ شیر شاہ ہندوستان کے بادشاہوں میں ایک عظیم الشان بادشاہ گزرا ہے۔ جس نے ایک سپاہی کے درجے سے ترقی کرکے شاہی کا مرتبہ حاصل کیا تھا +

۲۔ اُس کا دادا ابراہیم خاں سوری تلاشِ معاش کے لئے ہندوستان میں وارد ہوا۔ اور مدت العمر اُمراے لودی کی نوکریاں کرتا رہا۔ اُس کا باپ حسن خاں جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا۔ حسنِ لیاقت کی بدولت ابراہیم لودی کے عہد میں پانسو سواروں کا افسر مقرر ہوا۔ اور صوبۂ بہار میں سہسرام کا پرگنہ اُس کو بطور جاگیر کے مل گیا +

۳۔ فرید خاں جو آیندہ شیر شاہ کہلائے گا۔ عالمِ نوجوانی میں باپ کی سختیوں سے ملول ہوکر سہسرام سے جون پور چلا گیا اور وہاں تحصیلِ علم میں مصروف رہ کر علم ادب اور تواریخ میں اُس نے بڑی مہارت پیدا کی۔ آخر منا پر جاکر باپ نے بلا لیا۔ اور جاگیر کے کاموں کا انصرام اُس کے سپرد کیا۔ اِس ہونہار نے ایسا عمدہ انتظام کیا۔ کہ رعایا خوش حال اور باپ کا خزانہ مالا مال ہو گیا۔ باپ کی وفات کے بعد ابراہیم لودی کے

حکم سے یہ جاگیر خود اُس کے نام ہو گئی ÷

۴۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ایک انقلاب عظیم واقع ہوا۔ ابراہیم لودی مارا گیا۔ بابر فتحیاب ہوا۔صوبہ دار بہار خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اب فرید خاں بہار کے نئے بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ ایک روز تلوار سے شیر کا شکار کیا۔ اس دلاوری کے صلے میں شیر خاں کا خطاب پایا پھر شاہِ بہار سے ناچاقی ہو گئی تو آکر بابر کے ہوا خواہوں میں شامل ہو گیا ÷

۵۔ بابری دربار کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اُس نے خوب جانچ لیا۔ کہ اگر ہمارے پٹھان بھائی باہمی نزاع کو دور کر کے یک دل ہو جائیں تو ان مغلوں کو ابھی دم کے دم میں ہندوستان سے نکال باہر کروں ÷

اُس کے احباب نے یہ باتیں سنیں۔ تو جوانی کی ترنگ سمجھ کر اُس کا مضحکہ اُڑایا۔ بالجملہ وہ بابری دربار سے مایوس و متنفر ہو کر۔ بلا رخصت چل دیا۔ اور دوبارہ شاہِ بہار کا تقرب حاصل کیا ÷

۶۔ جب شاہِ بہار نے عالمِ فانی سے ملکِ جاودانی کی راہ لی۔ تو اُس کے جانشین کو خارج کر کے شیر خاں نے ملکِ بہار کو اپنے قبضہ و تصرف میں کر لیا ÷

پھر مُلکِ بنگالہ کی تسخیر پر مُتوجّہ ہُوا - اِسی اثنا میں ہمایوں نے اُس پر لشکر کشی کی ٭

۷ - چند معرکوں میں شیر خاں غالب اَور ہمایوں مغلوب ہُ مگر قنّوج کی اخیر جنگ میں تو ہمایوں نے ایسی ہزیمت پا کہ پھر ہندوستان میں ٹھہر ہی نہ سکا - چار ناچار ایران جا پناہ لی - اب شیر خاں بلقبِ شیر شاہ ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک ہُوا - اَور جو منصوبہ اُس نے باندھا تھا پوُ کر دکھایا ٭

۸ - اِس بادشاہ کو ایجاد قوانین کا بڑا ملکہ تھا - رعایا اَ کاشتکاروں کی سرسبزی کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھتا - کسی مُلک پ چڑھائی کرتا تو کسانوں کو آزار نہ پہُنچاتا - زراعت کی پامالی عوضانہ دلاتا - عدالت گُستری میں چاہئے اُس کا عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہو - کِسی کی رُو رِعایت نہ کرتا - راستوں کی اَمن حفاظت کا خوب بندوبست کیا تھا - کوئی تاجر اثنائے راہ میں مرجاتا - تو اُس کا مال اُس کے وارثوں کو پہُنچاتا ٭

۹ - فوج کے گھوڑوں پر داغ لگانے کا قاعدہ اُسی نے اِختراع کیا تھا - خیرات خانے اَور سرائیں بہ کثرت تعمیر کرائیں کاروانوں کی آمد و شد کے لئے عُمدہ سڑکیں بنوائیں - غرض وہ بڑا

عَالی ہمّت فیّاض۔ اور منتظم تھا۔ مگر کئی معاملوں میں اُس نے دغا و فریب بھی کیا۔ جو اُس کے اِخلاق پر سخت بدنما دھبّہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۔ اُس کی مَوت قلعۂ کالنجر کے محاصرہ کے وقت اِس طَور سے ہوئی کہ غنیم کا گولہ اُس کے میگزین میں پڑا جس سے اُس کا بدن پھُک گیا۔ اِس نزع کی حالت میں بھی وُہ اپنی فوج کو قلعے پر حملہ کرنے کا حُکم دیتا رہا۔ اَور جونہی فتح کی صدا اُس کے کان میں پہنچی خدا کا شُکر اَدا کیا اَور پھر سانس نہ لیا۔

(۱۶) بارش کا پہلا قطرہ

گھنگور گھٹا تُلی کھڑی تھی، پر بوُند ابھی نہیں پڑی تھی
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہ خطرہ ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہو گا مَیں اَور کی گوں نہ آپ جوگا
کیا کھیت کی مَیں بجھاؤں گا پیاس اپنا ہی کروں گا ستیا ناس
آتی ہے برسنے سے مجھے شرم سینتی پتھر تمام ہیں گرم
خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت؟ پھیکی باتوں میں کیا حلاوت؟
کِس برتے پہ مَیں کروں دلیری؟ مَیں کون ہوں؟ کیا بساط میری؟

پھر قطرہ کے دل میں تھا یہی غم
سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم

بکھری سی گھٹا میں پک رہی تھی
کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی

اِک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور
ہمت کے محیط کا شناور

فیاض و جواد و نیک نیت
بھڑکی اُس کی رگِ حمیت

بولا للکار کر ۔ کہ "آؤ"
"میرے پیچھے قدم بڑھاؤ"

کر گزرو جو ہو سکے کچھ احساں
ڈالو مُردہ زمین میں جاں

یارو! یہ ہچر مچر کہاں تک!
اپنی سی کرو بنے جہاں تک

مل کر جو کرو گے جاں فشانی
میدان پہ پھیر دو گے پانی

کہتا ہوں یہ سب سے برملا میں
آتے ہو تو آؤ! لو چلا میں!!

یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانا
دشوار ہے جی پہ کھیل جانا

ہر چند کہ تھا وہ بے بضاعت
کی اُس نے مگر بڑی شجاعت

دیکھی جرأت جو اُس سخی کی
دو چار نے اَور پَے رَوی کی

پھر ایک کے بعد ایک لپکا
قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا

آخر قطروں کا بندھ گیا تار
بارش لگی ہونے موسلا دھار

پانی پانی ہوا بیاباں،
سیراب ہوئے چمن، خیاباں،

تھی قحط سے پائمال خلقت
اِس مینہ سے ہوئی نہال خلقت

جرأت قطرہ کی کر گئی کام
باقی ہے جہاں میں آج تک نام

اے صاحبو! قوم کی خبر لو
قطروں کا سا اتفاق کر لو

قطرہ ہی سے ہوگی نہر جاری   چل نکلیں گی کشتیاں ہماری

(مؤلف)

(۱۷) سرکشی کا ثمرہ

۱۔ ایک روز بدن کے تمام اعضا متفق ہوکر معدہ کا گلہ کرنے لگے کہ "ہم کماتے کماتے تھکے جاتے ہیں اور یہ نکھٹو معدہ مفت میں ہماری کمائی ہضم کر جاتا ہے۔" آخر سب نے اس کی اطاعت سے سرکشی کی۔ پاؤں نے رفتار۔ ہاتھوں نے کاروبار ترک کیا۔ آنکھوں نے بصارت سے آنکھ چرائی کان سماعت سے بے بہرہ ہو گئے۔ ناک نے سونگھنا، زبان نے چکھنا چھوڑ دیا۔

۲۔ جب اعضا کی نافرمانی اس حد کو پہنچی کہ ہر ایک نے اپنا اپنا کام بند کر دیا۔ تو غریب معدہ کو غذا کہاں سے میسر ہوتی؟ کچھ عرصے تک بے آب و دانہ صبر کئے پڑا رہا آخرکار ہر ایک عضو کو ایذا پہنچی۔ اور ان کی طاقت زائل ہونے لگی۔ ہاتھ کفِ افسوس ملنے۔ اور پاؤں ایڑیاں رگڑنے لگے۔ آنکھوں نے رونا۔ چھینکنا شروع کر دیا۔ کان بھی مارے ضعف کے سن ہو گئے۔ ناک کا بھی ناک میں

دَم آ گیا۔ زبان کا بولنا بند ہو گیا ✦

۳۔ معدہ نے کہا "اَو میرے مددگارو! اب تم کو معلوم ہوا کہ جو کچھ تمہاری محنت مشقّت کی بدولت مجھ کو پہنچتا تھا وہ رائگاں نہیں جاتا تھا۔ بلکہ خود تمہارے ہی صرف میں آتا تھا۔ جو غذا تم مجھ کو حوالہ کرتے تھے میں اُس کو ہضم کرتا اَور جو خون اُس سے پیدا ہوتا۔ وہ رگوں کے وسیلے سے کُل اعضا میں حصّہ رسَد تقسیم ہو جاتا۔ اُسی سے تمہاری سب کی پرورش ہوتی تھی ✦

۴۔ جب اعضا نے اپنی حماقت اور سرکشی کا نتیجہ صاف صاف دیکھ لیا۔ تو بہت نادِم و خجل ہُوئے اَور توبہ کی کہ آیندہ ایسی خطا نہ کریں گے۔ اِسی طرح جو نادان اپنے مُربّیوں اَور آقاؤں کی اِطاعت اَور خِدمت کو جبر سمجھتے ہیں وُہ انجامِ کار ایذا پاتے اَور نقصان اُٹھاتے ہیں ✦

(۱۸) ناقدردانی

کہیں اِک لعل کیچڑ میں پڑا تھا ۔۔۔ نہ قامت بلکہ قیمت میں بڑا تھا
کوئی دہقاں اُٹھا کر لے گیا گھر ۔۔۔ وہ کیا جانے یہ پتّھر ہے کہ جوہر؟
تھا تحفہ جو بچّے کو دکھایا ۔۔۔ "اہا ہا ہا! کھلونا ہم نے پایا"

ہوئی جب لعل کی واں یہ مدارات — تو بولا حسرتا ! ہیہات !! ہیہات !!
نہیں اس گھر میں میری قدر ممکن — کہ اندھوں کے لئے کیا رات کیا دن
اگر پاتا مجھے کوئی نظرباز — تو کرتا اپنی قسمت پر وہ سو ناز
جو لے جاتا مجھے تا درگہِ شاہ — تو مالا مال ہوتا حسبِ دلخواہ
اری ناقدردانی! تجھ پہ لعنت — کہ ہے تجھ کو مساوی نور و ظلمت
سمجھ لیتی ہے عیبوں کو ہنر تو — ہنر کی توڑ دیتی ہے کمر تو
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے — خصوصاً تیری نالائق جفا سے
کہ ہے اندھے کی لاٹھی تیری بیداد — جہاں میں داد ہے جس کی نہ فریاد

(مؤلف)

(۱۹) سیتا جی

۱۔ ہندوؤں میں جو شہرت رام چندر جی کی بی بی سیتا جی نے پائی ہے۔ وہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوئی۔ طرح طرح کی مصیبتوں کا جھیلنا۔ اور عجیب عجیب سانحوں کا پیش آنا خاندان اور مرتبہ کی شرافت۔ حسنِ خدا داد کی لطافت۔ خوبی خصائل کی فضیلت یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے ہر فرقے کے ہندو ان کے نام کو محبت و عقیدت سے یاد کرتے ہیں ۔

۲۔ سیتا جی کے جمال و کمال کا آوازہ تمام آریہ ورت میں

پھیل گیا۔ تو دُور و نزدیک کے راجا اُس کے خواستگار ہوئے۔ مگر رام چندر جی کے سوا۔ جن کا آغازِ شباب تھا اَور فنِ تیر اندازی میں دستگاہِ کامل پیدا کی تھی۔ کوئی کامیاب نہ ہُوا اُس نے صرف کمان کو کھینچا ہی نہیں بلکہ اَپنی شہ زُوری سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پس عہد کے بموجب اُن کے ساتھ سیتا جی کی شادی ہو گئی۔ اُس کو لے کر اَجُودھیا میں واپس آئے اَجُودھیا اُن کے باپ کا دارُ الحکُومت تھا ؛

۵۔ کچھ مُدّت کے بعد اُن کے پتا جسرتھ نے اَپنی ایک عزیز بی بی کے اِغوا سے رام چندر کو چَودہ برس کا بن باس دیا رام چندر نے بلا عُذر باپ کے اِس سخت حُکم کی تعمیل کی۔ اُس جلا وطنی میں اُن کی باوفا بی بی سیتا اَور اُن کے برادرِ عزیز لچھمن نے حقِ رفاقت ادا کیا۔ یہ شاہی گروہ اَجُودھیا کی رعایا برایا کو اَپنی مُفارقت کے رنج و الم میں گریہ و زاری کرتا ہُوا چھوڑ کر رخصت ہُوا۔ الٰہ آباد سے گزر کر چترکُوٹ پہاڑ پر پہنچے کئی سال کی دشت نوردی کے بعد پنج گوداوری کے قریب پنچوٹی پر اِقامت اِختیار کی۔ تاکہ باقی ایّام وہاں بسر کریں ؛

۶۔ جنگل کے پھل پھلاری اور شکار پر گذرِ اوقات کرتے تھے رام چندر اَور لچھمن باری باری سے صید افگنی کو جاتے مگر

ایک بھائی سیتا کی تشفی خاطر اور حفاظت کی نظر سے موجود رہتا تھا۔ قضا را ایک روز رام چندر جس سمت کو شکار کے لیئے گئے تھے اُدھر سے نالہ و بکا کی آواز آئی ناچار لچھمن سیتا کو تنہا چھوڑ تفتیش حال کے لئے چلے گئے۔ اُن کا جانا تھا کہ لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو جبرًا اپنے ساتھ لے گیا ✤

۷۔ جب رام چندر جی نے معاودت کی اَور سیتا کو قیام گاہ پر نہ پایا۔ تو بغایت مضطرب ہوئے اَور جنگل جنگل تلاش کرتے پھرے۔ آخر کو جب پتا مِل گیا۔ تو راجا کرناٹک کے بھائی سُگریو کی اعانت سے لنکا پر لشکر کشی کا عزم کیا ✤

۸۔ آغازِ جنگ سے بیشتر ہنومان جو سُگریو کا وزیرِ اعظم اَور سپہ سالار تھا۔ راون کے سمجھانے کو بھیجا گیا۔ جب صُلح و صلاح سے راون راہِ راست پر نہ آیا۔ تو ہنومان سیتا کو تسلی تشفی دے کر واپس چلا آیا۔ پھر تو رام چندر جی کے لشکر نے سیت بند کو عُبور کر کے خوب معرکہ آرائی اَور جدال و قتال کیا۔ یہاں تک کہ بد ذات راون اُن کے ہاتھ سے ہلاک ہُوا اَور اپنے کردار کی پاداش کو پہنچا ✤

۹۔ یہ فیروز مند گروہ سیتا کو زندانِ بلا سے چھڑا کر وطن کی جانب پھرا۔ مگر اوّل اُس غم زدہ قیدی کو اپنی

عِفّت و عِصمت کے ثبوت میں ایک ہولناک اِمتحان آگ میں گِرنے کا حکماً دینا پڑا۔ کیونکہ اُس زمانے میں مُشتبہ عورت کے لیئے دہکتی آگ یا جلتے توے پر برہنہ پا چلنا ہی پاک دامنی کی شہادت خیال کی جاتی تھی ❖

۱۰۔ اِس سخت آزمائش کے بعد رام چندر اور سیتا جی دھوم سے اجودھیا میں داخل ہوئے اور تختِ شاہی نے راجہ رام چندر جی کے جلوس سے رونقِ تازہ پائی ۔ سیتا جی نے جبلّی نیک مزاجی خوش خوئی اور نہایت خلوص و وفاداری سے اپنے نامور شوہر کے دِل میں اِزدیادِ محبت کا بیج بویا۔ کچھ عرصے کے بعد آثارِ حمل نمودار ہوئے ۔ اور دستور کے موافق حاملہ کی حفاظت اور خوشی کے ساز و سامان کیئے گئے ۔ مگر افسوس ! کہ اِنقلابِ روزگار نے بہت جلد اِس مسرت کو کلفت سے بدل دیا ❖

۱۱۔ عوام النّاس نے سیتا جی کی عِفّت اور بے گناہی کو تسلیم نہ کیا ۔ بلکہ گھر گھر بدگمانی اور اِلزام کا چرچا ہونے لگا۔ ناچار رام چندر جی نے پیاری بی بی کو جلا وطن کیا ۔ لچھمن جی اِس بے کس شکستہ خاطر کو بن کے اندر بالمیک کی منڈھی کے پاس چھوڑ آئے ۔ وہیں لو اور کش دو توام لڑکے پیدا

ہوئے - جنہوں نے بالمیک کی سرپرستی میں پرورش پائی ؂

۱۲- جس وقت رام چندر جی نے اسومیدھ جگ کیا - تو یہ لڑکے بھی بالمیک کے ساتھ اجودھیا کو گئے - اگرچہ ان کا لباس غریب برہمن زادوں کا سا تھا - مگر ان کی شکل صورت سے جلالِ شاہی اور شکوہِ امارت ٹپکتا تھا - اس لئے اصل حال مخفی نہ رہ سکا - اور بہت جلد ان کا حسب و نسب سب پر آشکارا ہو گیا ؂

۱۳- اس وقت بالمیک نے بھری مجلس میں سیتا جی کی سفارش کی اور تمام الزام و اتہام جو ان کی عصمت پر لگائے گئے تھے - رفع کر دیے - تب تمام راجاؤں اور سرداروں نے جو اس جشن میں جمع ہوئے تھے متفق اللفظ یہی کہا کہ سیتا ستونتی ہے - اور اس کو واپس بلا لینا مناسب ہے - لیکن اور اہلِ مجلس نے خاموشی اختیار کی اور وہ ایسی کی رائے نہ دی - اس لئے رام چندر جی کو رعایا کی رضامندی کے بغیر ایسا کرنا مصلحت نہ معلوم ہوا ؂

۱۴- بالمیک نے یہ صورت دیکھ کر کہا کہ "اب بھی کسی کو شک و شبہہ ہو تو مکرر آزمائش ہو سکتی ہے - سیتا جی کو

(جو تکلیفیں سہتے سہتے اور مصیبتیں اٹھاتے اٹھاتے نہایت نحیف و ناتوان ہوگئی تھیں) یہ باتیں اس قدر شاق گزریں کہ تاب نہ رہی۔ غم و غصہ کے جوش میں غش کھا کر پڑیں اور آخر دم تک ہوش میں نہ آئیں۔ رام چندر جی کو اس سانحہ کا ایسا قلق ہوا کہ آخر کار اپنے تئیں دریائے سرجو کے حوالے کیا +

۱۵۔ الغرض سیتا ایک نیک طینت۔ باوفا۔ صابر۔ مستقل مزاج اور خاوند کی فرماں برداری کرنے والی بی بی کا بے نظیر نمونہ تھی ۔

(۲۰) عجیب چڑیا

چڑیا ہم نے عجیب پالی — زنجیر اس کے گلے میں ڈالی
دن رات ہو شام۔ یا سویرا — لیتی ہے وہ جیب میں بسیرا
چڑیا سے بھی قد ہے اس کا چھوٹا — ہے اس کا بدن تمام بوٹا
بوٹے پہ جو غور سے نظر کی — بوٹا نہیں بوٹ ہے ہنر کی
گویا ہے۔ اگرچہ بے زبان ہے — ناداں ہے مگر حساب داں ہے
دانہ پانی نہیں وہ کھاتی — ہر دم ہے۔ خوشی سے چہچہاتی
دن رات میں چھیڑ دو کسی آن — یہ چھیڑ ہے اس کے جسم کی جان

جب تک جیتی ہے جاگتی ہے — تُو کام۔ تو چیز کام کی ہے
کہتی ہے کہ وقت کی خبر لو — جو کچھ کرنا ہے جلد کر لو
غفلت کیجے۔ تو ٹوکتی ہے — عجلت کیجے تو روکتی ہے
اِس طور سے کرتی ہے گزارہ — انڈے دیتی ہے دِن میں بارہ
پھر اِتنے ہی رات کو ہے دیتی — دیتے ہی ہر ایک کو ہے سیتی
انڈے ہیں تمام اُس کے سچے — ایک ایک سے نکلے ساٹھ بچے
ہر بچہ نے اُگلے ساٹھ دانے — ہر دانہ میں ہیں بھرے خزانے
جو دانہ گرا۔ سو ہو گیا گم — ڈھونڈا کرو۔ پھر نہ پاؤ گے تم
دانہ کی بتاؤں کیا میں قیمت — دانا سمجھیں اُسے غنیمت
جس نے اُسے پالیا۔ کہا واہ! — کیا بات ہے تیری بارک اللہ!
سچ مچ تو، لعل بے بہا ہے — گویا ہر درد کی دوا ہے
القصہ ہے وُہ عجب پرندہ — مُردہ اُسے کہہ سکیں نہ زندہ

(مؤلف)

(۲۱) جلال الدین محمد اکبر

۱۔ تیموری نسل میں اکبر بڑا نامور اور ہر دِل عزیز بادشاہ گزرا ہے اُس کا باپ ہمایوں ابنِ بابر اور ماں حمیدہ بیگم تھی ۔

۲۔ جن دِنوں ہمایوں شیر شاہ سوری سے ہزیمت پاکر ہندوستان کی مغربی حدود میں پڑا پھرتا تھا۔ اور مصیبت و صعوبت کی گھٹا اُس پر چھائی ہوئی تھی۔ یکایک سندھ کے ریگستان میں خوشی و خرّمی کا آفتاب چمکا۔ یعنی ۹۴۹ھ میں رجب کی پانچویں تاریخ شبِ یک شنبہ کو حصار امرکوٹ کے اندر اکبر کی وِلادت ہوئی ؂

۳۔ کچھ عرصہ بعد ہمایوں قندھار کی سرحد میں داخل ہوا مگر اپنے بھائی کامران کے خوف سے مع حمیدہ بیگم اور چند رُفقائے جاں نثار کے کام ناکام ایرانی عملداری میں بھاگ گیا۔ اکبر اپنی انّا اور خدّام سمیت چچا کی حراست میں پڑ گیا اور قندھار و کابل میں پرورش پاتا رہا ؂

۴۔ ہمایوں نے دو برس کے بعد شاہِ ایران کی کُمک سے افغانستان کو فتح کیا۔ اُس وقت ماں باپ نے اکبر کو پھر دیکھا جس کی عمر اب دو سال نو مہینے آٹھ دن کی ہو گئی تھی ؂ اِسی اثنا میں کامران کابل پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ جب ہمایوں نے محاصرہ کرکے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دِیا تو سنگ دِل مرزا نے معصوم بھتیجے کو مورچہ پر لا بٹھایا۔ جہاں گولے گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ لیکن خدا کے فضل سے اکبر کو کچھ گزند

نہ پہنچا۔ البتہ ہمایوں کی توپوں کا منہ بند ہو گیا ؛

۵۔ آخرکار ہمایوں نے سب خرخشوں کو مٹا کر دس برس تک صرف افغانستان پر قناعت کی۔ اس عرصہ میں اکبر نے ہوش سنبھالا۔ اَور صید افگنی وسپہ گری کے فنون میں مہارت حاصل کی۔ الّا نوشت و خواند سے محض بے بہرہ رہا ؛

۶۔ ۱۵۵۶ء میں ہمایوں نے دِلّی اَور آگرہ پر دوبارہ تسلّط کیا۔ مگر چھ مہینے بعد کتب خانے کے زینے سے گر کر وفات پائی۔ اُس وقت اکبر کے سر پر تاجِ شاہی رکھا گیا۔ جس کی عمر صرف تیرہ ۱۳ برس چار ۴ مہینے کی تھی۔ اُس کی نو عُمری کے باعث بیرم خاں مدار المہام سلطنت مقرر ہُوا۔ جو پہلے سے اتالیق بھی تھا ؛

۷۔ جب اکبر اٹھارہ برس کا ہو گیا۔ تو بیرم خاں کی خودرائی سے ناراض ہو کر عنانِ سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اَور اپنی مردانگی اَور فرزانگی سے ہندوستان کے خود سر صوبوں کو مطیع و مسخر کر کے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ فرماں روائی کی۔ آخر ۱۶۰۵ء میں وفات پائی اَور آگرہ کے قریب سکندرہ میں مدفون ہوا ؛

۸۔ یہ بادشاہ تشکیل و وجیہ۔ تنومند۔ قوی اَور چُست و

چالاک تھا۔ اکثر اوقات ہر مذہب کے عُلما سے صُحبت رکھتا خاص کر پنڈتوں سے ٭

اگرچہ محض اُمّی تھا۔ مگر اُس کی گُفتگو ایسی سنجیدہ تھی کہ کِسی کو اُس کے اُمّی ہونے کا شُبہ نہ ہوتا۔ سنسکرت زبان کو بخوبی سمجھ لیتا۔ اِلّا بول نہ سکتا۔ نظم و نثر کی باریکیوں کو خُوب پہچانتا تھا۔

۹۔ باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے نہایت مُنکسِر اَور مُتواضع تھا اپنے آپ کو کمترین مخلوقات جانتا۔ اَور یادِ حق سے کبھی غافِل نہ رہتا۔ شب بیدار اَور کم خواب تھا۔ رات دِن میں ڈیڑھ پہر سے زیادہ نہ سوتا۔ سال میں نو مہینے طعامِ صوفیانہ کھاتا۔ قتل حیوانات کو مُطلق پسند نہ کرتا۔ چُنانچہ بعض دِنوں اَور مہینوں میں عام مُمانعت تھی ٭

صُلحِ کُل اُس کا شیوہ تھا۔ ہر مِلّت و مذہب کے لوگوں کو اُس کے مُمالکِ محروسہ میں آزادی تھی۔ سب اپنے اپنے طریق پر عبادت کرتے۔ کوئی کِسی کا مُزاحم نہ تھا۔

۱۰۔ دِلیر و دِلاور ایسا کہ مست اَور سرکش ہاتھیوں پر سواری کرتا۔ جب کوئی خُونی ہاتھی چھوٹتا۔ تو کِسی دیوار یا درخت پر چڑھ کر اُس کی پُشت پر کُود پڑتا اور اُس کو

زیر کرتا۔

ایک بار حدود گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ مرزا کوکا جو اُس نواح کا گورنر تھا۔ قلعہ احمد آباد میں گھر گیا یہ خبر دارالخلافت میں پہنچی۔ تو مرزا کی ماں (جیجی انگہ) نہایت مضطرب ہوئی۔ اکبر کو اپنی انگہ کی خاطر بہت عزیز تھی۔ اسی وقت جنگ آزمودہ رفقا کی ایک قلیل جماعت فراہم کر کے فتح پور سے کوچ بول دیا اور آندھی بجلی بن کر گجرات کی طرف اُڑا۔ گھوڑے۔ اونٹ اور گھڑ بہل کی سواری میں دو مہینے کی راہ نو دن کے اندر طے کر کے دفعۃً غنیم کے سر پر جا پہنچا۔

بعض خیر اندیشوں نے شب خون کی صلاح دی لیکن اُس کی ہمت عالی کب مانتی تھی۔ فوراً کوس جنگ بجوایا اور ڈنکہ کی چوٹ حملے کا حکم دیا۔ سابرمتی ندی بیچ میں حائل تھی۔ سب سے پہلے بادشاہ نے اپنا گھوڑا ڈالا۔ پھر کس کو تاب تھی جو توقف کرتا۔ غرض پار اُتر کر جنگ عظیم کے بعد دشمن کو اُسی روز مار بھگایا۔ اور مرزا عزیز کو نرغہ سے چھڑایا۔

اا۔ تخت نشینی سے چند سال بعد کا ذکر ہے۔ کہ ایک امیر مسمیٰ ادہم خاں نے اکبر کے رضاعی باپ (انگہ خاں)

کو حسد کے مارے عین دربار میں قتل کر ڈالا۔ اور برہنہ شمشیر ہاتھ میں لیے حریم شاہی میں جا گھسا۔ اکبر خوابِ راحت میں تھا مستورات کے شور و غل سے آنکھ کھل گئی فوراً کمرے سے باہر آیا اور ادہم خاں کو آمادہ گستاخی دیکھ کر خالی ہاتھ آگے بڑھا اور اس کے کلّہ پر ایسا مکّا لگایا کہ وہ چکرا کر گر پڑا۔ اسی دم لوگوں نے اس کی مشکیں کس لیں۔ اور حکمِ شاہی کے بموجب چبوترہ سے سرنگوں گرا کر مار ڈالا۔

۱۲۔ اکبر کی طبیعت میں شجاعت و جلادت کے ساتھ رحم دلی حلم اور شفقت و مروّت بھی بہت تھی۔ عفوِ جرائم کو دوست رکھتا۔ نادم خطا کاروں سے ہمیشہ درگزر فرماتا مغلوب دشمن پر رحم کرتا۔ جلوس کا اوّل سال تھا کہ پانی پت کے میدان میں ہیموں بقّال سے بڑا معرکہ پڑا ناگاہ ہیموں کی آنکھ میں تیر کاری لگا۔ جس کے لگتے ہی لڑائی کا فیصلہ ہو گیا مجروح دشمن اسیر کر کے حضور میں لایا گیا۔ بیرم خاں نے عرض کیا کہ "حضرت اپنے دستِ مبارک سے اس گردن زدنی کا کام تمام کر دیں" لیکن اکبر کی ہمّت نے ایک مجبور قیدی کے خون سے تیغِ شاہی کو آلودہ کرنا پسند نہ فرمایا۔

محمد حسین مرزا جو گجرات کی بغاوت کا بانی تھا۔ جس وقت

میدانِ جنگ سے گرفتار ہوکر آیا ہے۔ تو شاہی خدام سے پانی مانگا کسی نے نہ دیا۔ اکبر نے یہ بات سُن پائی۔ فوراً آبِ خاصہ طلب کیا اور اپنے جانی دشمن کی پیاس بجھائی +

(۲۲) اشعارِ ذوق

کسی بے کس کو اے بیداد گر! مارا تو کیا مارا!
جو آپ ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا۔ تو کیا مارا!
نہ مارا آپ کو۔ جو خاک ہو۔ اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے (اکسیر گر!) مارا۔ تو کیا مارا!
بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا۔ تو کیا مارا!
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر! مارا۔ تو کیا مارا!
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا!
دلِ بدخواہ میں تھا مارنا یا چشمِ بدبیں میں
فلک پر ذوق تیرِ آہ گر مارا۔ تو کیا مارا!

(ذوق)

(۳۳) خود رائی کا نتیجہ

۱- دو کبوتر ایک ہی آشیانے میں رہا کرتے تھے۔ ایک کا نام تھا "بازندہ" دوسرے کا "نوازندہ" بازندہ کے دل میں سیر و سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ یارِ غمگسار سے کہا کہ "آؤ ہم تم مل کر دنیا کا گشت لگائیں کیونکہ سفر میں بے شمار عجائبات نظر سے گزرتے ہیں۔ اور بڑا تجربہ حاصل ہوتا ہے" ؎

"سیر کر دنیا کی غافل! زندگانی پھر کہاں؟
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں؟

۲- (نوازندہ) سنو بھائی! تم نے کبھی سفر کی محنت نہیں سہی اور غربت کی مشقت نہیں اُٹھائی۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے تو ہرگز ایسا فضول ارادہ نہ کرتے۔

۳- (بازندہ) یہ تو سچ ہے کہ سفر کی تکلیفات سے کبھی کبھی جان پر آ بنتی ہے۔ مگر جہان کا سیر و تماشا کچھ ایسا دلچسپ اور راحت افزا ہے کہ تمام کلفتوں کو بھلا دیتا ہے۔ جب عجائباتِ عالم کی دیکھ بھال کا چسکا لگ جاتا ہے۔ تو پھر مصیبت بھی راحت معلوم ہونے لگتی ہے۔ (مؤلف) ؎

"گلستاں جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی
مگر جو گل کے جویا ہیں انہیں کیا خار کا کھٹکا"

۴- (نوازندہ) "اے رفیق! دنیا کا سیر و تماشا تو اسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہے- جب اپنے عزیز رفیق دوست احباب ساتھ ہوں- اور اگر ان سب کی مفارقت گوارا کرکے سیر کی تو ہیچ ہے- ان کی جدائی کا رنج و الم تمام کیفیتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے- اب تم کو رہنے کے لئے گھر- کھانے کے لئے دانہ پانی بافراغت میسر ہے- بس اسی پر قناعت کرو اور اپنے گوشۂ عافیت میں سلامتی سے رہنے کو غنیمت سمجھو" ؀

۵- (بازندہ) "بھائی جان! دوستوں کی جدائی کا ذکر تو فضول ہے- اس لئے کہ جب قطع تعلق کرکے چل کھڑے ہوئے تو جہاں کہیں جائیں گے- وہاں کیا دوست آشناؤں کا قحط ہوگا؟ ملنسار کو ہر جگہ ملنے والے بہم پہنچ سکتے ہیں- اور خود مسافرت ہی مسافر کو پختہ کار بنا دیتی ہے- اس کو دوستوں کی کچھ پروا نہیں" ؀

۶- (نوازندہ) "اچھا صاحب! جب آپ قدیم دوستوں کی صحبت ترک کرنے پر مستعد اور نئے دوست آشنا پیدا کرنے

پر آمادہ ہیں تو میری باتوں کا اثر آپ کے دِل پر کیوں ہونے لگا۔ اِس صورت میں صلاح و مشورہ سب بے سود۔ خیر! خُدا حافظ!! جو تمہارے جی میں آئے سو کرو" +

۷۔ الغرض بازندہ اپنے پُرانے رفیق کو چھوڑ کر اُڑا۔ جنگلوں میدانوں کا سپاٹا بھرتا۔ دریاؤں کی سیر کرتا۔ ایک پہاڑی کے دامن میں جا ٹھہرا۔ وہاں کا سبزہ زار میدان اَور دِل کُشا منظر اُس کو بہت ہی بھایا۔ شام بھی قریب تھی وہیں قیام کا ارادہ کر دیا +

۸۔ ابھی سُستانے بھی نہ پایا تھا۔ کہ یکایک زور شور کی آندھی اُٹھی۔ بجلی کی کڑک چمک اَور بادلوں کی گھور گرج کے ساتھ ایک سخت طوفان نے اُس کو گھیر لیا۔ بازندہ کو کوئی جائے پناہ نہ مِلی۔ درختوں کی شاخوں اَور پتّوں میں چھپ چھپا کر ہزار خرابی سے وہ رات بسر کی۔ صُبح ہوئی تو پھر اُڑا۔ اب سوچتا تھا کہ وطن کو پھر چلئے کبھی کہتا تھا کہ جب ارادہ کیا ہے تو چند روز اَور بھی کیفیت سفر دیکھنی چاہیئے +

۹۔ اِسی فکر و تردّد میں بڑھا چلا جاتا تھا۔ کہ ایک شاہین نہایت قوی چُست و چالاک اور بڑا شکاری اُس کی طرف جھپٹا۔ یہ آفت ناگہانی جو پیش آئی تو بازندہ کے ہوش اُڑ گئے۔ سر سے

پاؤں تک سناٹا نکل گیا۔ دل سینے میں دھڑکنے لگا۔ اپنی عقل و فہم پر نفرین کی۔ اور اپنے نامعقول ارادے پر سخت پشیمان ہو کر دل میں کہنے لگا "اگر اب کی بار اس بلا سے نجات پاؤں۔ تو پھر کبھی سفر کا نام نہ لوں۔ اور اپنے رفیق کی صحبت کو ہمیشہ غنیمت سمجھوں" ❊

۱۰۔ ادھر اس نے یہ نیت کی۔ اُدھر غیب سے رہائی کا سامان شروع ہوا۔ ایک تیز پرواز عقاب دوسری جانب سے بازندہ کی طرف لپکا اور چاہا کہ شاہین سے پہلے ہی اس کو جا دبوچے اگرچہ شاہین اس کے جوڑ کا نہ تھا۔ مگر غیرت اور غصے نے اس کو ایسی جرأت دلائی کہ فوراً عقاب کے مقابل ہو گیا۔ دونوں میں چونچ پنجوں سے جھڑپ ہونے لگی ❊ مؤلف

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

بازندہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں جلدی کی ایک پتھر کے تلے جا گھسا۔ سُکڑ سُکڑا کر ایک تنگ سوراخ میں ہزار دقت اپنے تئیں چھپایا اور ساری رات وہیں کاٹی ❊

۱۱۔ جب آشیانۂ مشرق سے خورشید جہاں تاب نے سر نکالا اور روئے زمین پر اپنے نورانی بازو پھیلا دیے۔ تو بازندہ کبھی

سُوراخ سے باہر آیا اگرچہ سفر کی تکان۔خوف کے صدمے اَور بھوک پیاس کی شِدّت سے قُوّتِ پرواز باقی نہ تھی۔ مگر چارناچار پھر اُڑا۔ چلتے چلتے ایک کبُوتر نظر آیا جس کے سامنے تھوڑا سا دانہ بھی پڑا تھا۔ یہ بھوک کے مارے بیتاب تو تھا ہی۔ اپنے ہم جنس کی دیکھی صورت اَور آب و دانہ حاضر۔ فوراً اُتر پڑا۔

۱۲۔ بے چارے نے ابھی دانے پر مُنہ بھی نہ ڈالا تھا کہ جال میں پھنس گیا۔ بہت تڑپا۔ بہت پھڑ پھڑایا۔ مگر جال سے مُخلصی نہ پائی۔ آخر اُس کبُوتر کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ کہ "تیری وجہ سے میں اِس دامِ بلا میں مُبتلا ہُوا۔ تو نے ہم جنس ہوکر مُجھ غریب پردیسی کے ساتھ دغا کی۔ تجھ کو لازم تھا کہ یہاں اُترنے سے پیشتر ہی مُجھ کو اِس خطرے سے آگاہ کر دیتا"۔

۱۳۔ اُس کبوتر نے جواب دِیا کہ "بھائی! قضا کے سامنے سعی پیش نہیں جاتی۔ یہ تمہارا افسوس محض لاحاصل ہے"۔ باز زندہ نے کہا کہ "خیر! جو ہُوا سو ہُوا۔ اَب میری مُخلصی کی سبیل نکالو! جب تک زندہ رہوں گا۔ تمہارا احسان نہ بھُولوں گا"۔ کبُوتر بولا "ارے بے وقوف! اگر ایسا حیلہ مُجھ سے بَن پڑتا تو میں اپنی ہی رہائی کی فکر نہ کرتا۔ تیرا حال تو اُس اُونٹنی کے

بچے کا سا ہے۔ جس نے سفر کی ماندگی سے اُکتا کر کہا تھا " اے میری پیاری ماں! اتنی دیر تو ٹھہر جا کہ ذرا میں دم لے لوں" ماں نے جواب دیا " اے میرے بھولے بھالے بچے! اگر مہار میرے ہاتھ میں ہوتی۔ تو بھلا میں یوں لدی لدی کیوں پڑی پھرتی؟"

۱۴- جب بازندہ کی بالکل آس ٹوٹ گئی تو بے اختیار پھڑکنے لگا۔ اور ایک بارگی جی توڑ کر زور مارا۔ اتفاق سے جال تھا کہنہ فرسودہ فوراً ڈورے ٹوٹ گئے۔ اور بازندہ نکل بھاگا۔ اب تو چھوٹتے ہی وطن کی طرف رخ کیا۔ اثنائے راہ میں ایک ویرانہ گاؤں پڑا۔ وہاں ایک دیوار پر جو کھیت کے قریب ہی تھی۔ ذرا دم لینے کو ٹھہرا +

۱۵- کسان کے لڑکے نے جو کھیت کی رکھوال کر رہا تھا کبوتر کو دیکھ پایا۔ اور چھپکے چھپکے ایک غلہ ایسا تاک کر مارا کہ اس کے بازو کو رگڑتا ہوا سن سے نکل گیا۔ وہ تڑپ کر گرا اور لڑکا اپنے شکار کی تلاش میں دوڑا یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کبوتر اس کنوئیں میں جا گرا ہے جو زیر دیوار تھا۔ تو لڑکا مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

۱۶- بازندہ نے چونکہ ضرب شدید کھائی تھی اس لئے

ایک رات اُسی کنوئیں کے اندر افسردہ و پژمُردہ پڑا رہا۔ اگلے روز ذرا اِفاقہ ہُوا تو اُفتاں و خیزاں وہاں سے چل نکلا۔ اَور اپنے قدیم آشیانے کی راہ لی ٭

۱۷۔ نوازِندہ نے جو اُس کی آہٹ سُنی تو نہایت خوش ہوکر پیشوائی کے لئے دوڑا۔ اَور بڑی خاطر و مُدارات سے اُس کو آشیانے میں لے گیا۔ پھر سفر کا حال پُوچھا۔ بازِندہ نے وُہ مصیبت کی داستان سُنائی اَور کہا کہ "میں سُنا کرتا تھا کہ سفر سے بڑا تجربہ حاصِل ہوتا ہے۔ خیر! مُجھ کو یہی تجربہ حاصِل ہُوا کہ بغیر دوست کے مشورہ اَور صلاح کے کوئی کام نہ کرنا چاہیئے" ٭

(۲۴) خُدا کی قُدرت

جو چیز خُدا نے ہے بنائی — اُس میں ظاہر ہے خوش نُمائی
کیا خوب ہے رنگ ڈھنگ سب کا — چھوٹی بڑی جس قدر ہیں اشیا
رَوشن چیزیں بنائیں اُس نے — اچھی شکلیں دِکھائیں اُس نے
ہر چیز کی ہے اَدا نرالی — حِکمت سے نہیں ہے کوئی خالی
ہر چیز ہے ٹھیک ٹھیک لاریب — ہیں اُس کے تمام کام بے عیب
ننھی کلیاں چٹک رہی ہیں — چھوٹی چڑیاں پھُدک رہی ہیں

اُس کی قدرت سے پھول مہکے پھولوں پہ پرند آ کے چہکے
چڑیوں کے عجیب پر لگائے اور پھول ہیں عطر میں بسائے
چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز پھولوں کا جدا جدا ہے انداز
محلوں میں امیر ہیں بہ آرام ہے ذرہ پہ کھڑا غریب ناکام
ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج
روزی دونوں کو دی خدا نے معمور ہیں قدرتی خزانے
تاروں بھری رات کیا بنائی! دن کو بخشی عجب صفائی!
موتی سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں ہیرے سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں
کیا دودھ سی چاندنی ہے چھٹکی حیران ہو کر نگاہ ٹھٹکی
تارے رہے صبح تک نہ وہ چاند آگے سورج کے ہو گئے ماند
نیلا نیلا اب آسماں ہے وہ رات کی انجمن کہاں ہے؟
شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا پھر صبح نے کر دیا اجالا
جاڑا۔ گرمی۔ بہار۔ برسات ہر رت میں نیا سماں نئی بات
جاڑے سے بدن ہے تھرتھراتا ہر شخص ہے دن میں دھوپ کھاتا
سردی سے ہیں ہاتھ پاؤں ٹھٹھرتے سب لوگ الاؤ پر ہیں گھرتے
سرسوں پھولی بسنت آئی ہولی پھاگن میں رنگ لائی
پھوٹیں نئی کونپلیں شجر میں اک جوش بھرا ہوا ہے سر میں
جاڑے کی جو رت پلٹ گئی ہے دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے

گرمی نے زمین کو تپایا — بھانے لگا ہر کسی کو سایا
برسات میں دل ہیں بادلوں کے — ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے
رَو آئی ہے زور شور کرتی — دامانِ زمین کو کترتی
کس زور سے بہ رہا ہے نالا — اونچے ٹیلے کو کاٹ ڈالا
بل کھا کے ندی نکل گئی ہے — رُخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس — بستی ہے بسی اُجاڑ کے پاس
بستی کے اِدھر اُدھر ہے جنگل — جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اُگائے — باغوں میں اُسی نے پھل پکائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی — دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سبزے سے ہرا بھرا ہے میدان — اونچے اونچے درخت ذی شان
ہم کھیلتے ہیں وہاں کبڈی — سیری ہے کوئی کوئی پھسڈی
گائیں بھینسیں عجب بنائیں — کیا دودھ کی ندیاں بہائیں
پیدا کیے اونٹ بیل گھوڑے — ہر شے کے بنا دیے ہیں جوڑے
روشن آنکھیں بنائیں دو دو — قدرت کی بہار دیکھنے کو
دو ہونٹ دیے کہ منہ سے بولیں — شکر اُس کا کریں زبان کھولیں

بے شک ہے خدا تو ہی قادر
ہر شے اُس نے بنائی نادر

(مؤلف)

(۳۵) اکبر کی پیدائش

جن دنوں ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھ سے پریشان حال تھا وہ اپنے نحوست کے سُتھے کہ ایک جگہ قرار نہ ملتا تھا۔ ابھی پنجاب میں ہے۔ ابھی سندھ میں ہے۔ ابھی بیکانیر، جیسلمیر کے ریگستانوں میں سرگرداں چلا جاتا ہے۔ مگر بیچاری بی بی دم کے ساتھ رہے۔

جب وہ جودھ پور کے سفر میں تھے۔ تو اکبر ماں کے پیٹ میں باپ کے رنج و راحت کا شریک تھا۔ اِس سفر سے پھرے۔ اور سندھ کی طرف آئے۔ ایّامِ ولادت بہت نزدیک تھے۔ اِس لئے بیگم کو امرکوٹ میں چھوڑا۔ اور آپ آگے بڑھ کر پرانی لڑائی کو تازہ کیا۔ اِسی عالم میں ایک دن ملازم نے آکر خبر دی کہ مبارک ہو "اقبال کا تارا طلوع ہوا" یہ تارا ایسے ادبار کے وقت جھلملایا تھا۔ کہ کسی کی آنکھ اُدھر نہ اُٹھی۔ مگر تقدیر ضرور کہتی ہوگی۔ کہ دیکھنا! آفتاب ہوکر چمکے گا۔ اور سارے ستارے اِس کی روشنی میں دھندلے ہوکر نظروں سے غائب ہو جائیں گے"

تُرکوں میں رسم ہے۔ کہ جب کوئی ایسی خوش خبری لاتا ہے

تو اُسے کچھ دیتے ہیں۔ ایک سفید پوش اشراف ہوگا تو اپنا مُنہ ہی اُتار کر دے دے گا۔ امیر ہے تو اپنی دستگاہ کے بموجب خلعت اور گھوڑا۔ نقد اور جنس جو جو کچھ ہو سکے گا دے گا۔ سب کی ضیافتیں کرے گا۔

ہمایوں کے پاس جب سوار یہ خبر لایا۔ تو اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی۔ کہ دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا آخر یاد آیا کہ کمر میں ایک مشک نافہ ہے اسے نکال کر توڑا۔ اور ذرا ذرا سا مشک سب کو دے دیا۔ کہ شگون خالی نہ جائے اللہ! اللہ! تقدیر نے کہا ہو گا۔ کہ " دل میلا نہ کیجیو۔ اس بچے کی شمیم اقبال مشک کی طرح عالم میں پھیلے گی " ۔

ہمایوں سندھ کے مُلک میں مدت تک لڑتا بھڑتا رہا کہ شاید قسمت یاوری کرے۔ اور ایسی صورت بن جائے کہ پھر ہندوستان پر فوج کشی کرنے کا سامان بہم پہنچ جائے۔ لیکن نہ تدبیر چلی نہ شمشیر۔

اسی عرصہ میں بیرم خاں آن پہنچے۔ انہوں نے آکر سب حال سُنا اور صورت حال کو دیکھ کر خلوت میں صلاحیں ہوئیں بیرم خاں نے کہا کہ " ان بے مروتوں سے ہرگز اُمید

لہ یعنی ہمراہیوں سے ۱۲

نہیں۔ اور مروّت کریں تو اس ریگستان میں کیا خاک ہے جو کچھ ہاتھ آئے؟"

ہمایوں نے کہا، "بہتر ہے کہ اب ہندوستان کو خیرباد کہیں اور ملکِ موروثی میں چل کر قسمت آزمائیں۔" بیرم خاں نے کہا کہ "اس ملک سے بادشاہِ مغفور[1] نے کیا پایا۔ جو حضور کو حاصل ہوگا؟ ایران کو چلیں تو مصلحت ہے۔ وہ میرا اور میرے بزرگوں کا ملک ہے۔" کہا شاہ۔ کیا قصر مہمان نواز ہیں۔ غلام وہاں کے رسم و راہ سے واقف ہے اور حضور والا کے خاندانِ عالی نے بھی وہاں سے ہمیشہ کامیابی کے شگون پائے ہیں"۔

ہمایوں نے ملکِ ہند سے ڈیرے اٹھائے۔ ایران کا ارادہ فسخ نہ کیا تھا۔ مگر یہ خیال تھا کہ جتنا سفر دور کا ہے ویسے ہی کامیابی کی امید بھی دور دراز ہے۔ فی الحال بولان کی گھاٹی سے نکل کر قندھار کو دیکھنا چاہیے۔ کہ قریب ہے وہاں سے مشہد کا رستہ بھی روشن ہے۔ بلخ اور بخارا کی راہ بھی جاری ہے۔ عسکری مرزا[2] اس وقت قندھار میں حکومت کر رہا ہے۔ میں اس قدر حادثے اٹھا کر آیا ہوں۔

---

[1] یعنی بابر بادشاہ ہمایوں کا باپ ۱۲
[2] عسکری بابر کا بیٹا اور ہمایوں کا بھائی تھا ۱۲

عیال کا ساتھ ہے۔ آخر بھائی ہے۔ جیتا خون کب تک ٹھنڈا رہے گا؟ کچھ بھی نہ سمجھا۔ تو ہمانی تُرکانہ کہیں نہیں گئی چند روز رہ کر اُس کا اور نمک خوارانِ قدیم کا رنگ دیکھوں گا۔ بُوئے وفا نہ پاؤں گا تو جدھر مُنہ اُٹھے گا چلا جاؤں گا۔ کہ خلقِ خُدا مُلکِ خُدا ہے۔

شہریار بے شہر اور بادشاہ بے لشکر۔ اِن خیالات میں غلطاں پیچاں۔ غم غلط کرتا۔ کوہ و دشت کو دیکھتا چلا جاتا تھا۔ اِسی عالم میں شال[۱] کے قریب پہنچا۔ مرزا عسکری کو بھی خبر پہنچ گئی تھی۔ بے مروت بھائی نے خانہ برباد بھائی کی آمد آمد سُن کر ایک سردار کو بھیج دیا تھا کہ حالات معلوم کرکے لکھتا رہے۔ اِدھر سے ہمایوں نے بھی دو ملازموں کو روانہ کیا تھا۔ وہ سردار مذکور کو رستہ میں مل گئے۔ اُس نا اہل نے فوراً دونوں کو گرفتار کرکے قندھار کو روانہ کیا۔ اور جو احوال معلوم ہوا۔ لکھ بھیجا۔ اُن میں سے ایک وفادار نے جو موقع پایا وہ بھاگ کر پھر ہمایوں کے پاس آیا۔ اور جو کچھ وہاں سُنا تھا اور دیکھ کر قرینوں سے سمجھا تھا سب بیان کیا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ حضور کے آنے کی خبر سُن کر

۱؎ یہ مقام اب سیبی کہلاتا ہے ۱۲

مرزا عسکری بہت گھبرایا ہے - قلعۂ قندھار کی مورچہ بندی شروع کر دی ہے - بھائی کی بے مہری اور لوگوں کی بے حیائی اور بے وفائی دیکھ کر ہمایوں کی اُمید ٹوٹ گئی - اور مستنگ کی طرف باگیں پھیریں پھر بھی ایک محبت نامہ مفصل لکھا -

یہ خط دیکھ کر مرزا کے سر پر اور بھی شیطان چڑھا - رفیقوں کو لے کر چلا - کہ بے خبر پہنچ کر ہمایوں کو قید کر لے موقع نہ پائے تو کہے کہ استقبال کو آیا ہوں - غرض نور کا تڑکا تھا - کہ سوار ہوا - اور پوچھا - کہ اِدھر دامن کوہ کا رستہ کون جانتا ہے؟ جی بہادر ایک اُزبک پہلے ہمایوں کے وفاداروں کا نوکر تھا - اب مرزا عسکری کے پاس نوکری کر لی تھی - اُس نے عرض کی "میں جانتا ہوں - اور کئی دفعہ آیا گیا ہوں" مرزا نے کہا "اچھا آگے آگے چل" اُس نے کہا "میرا یابو کام نہیں دیتا" مرزا نے ایک نوکر سے گھوڑا دلوا دیا - جی بہادر نے تھوڑی دور آگے چل کر گھوڑا اُڑایا - اور سیدھا بیرم خاں کے خیمہ میں آیا - کان میں کہا کہ مرزا آن پہنچا ہے - آپ فرصت کا وقت نہیں -

بیرم خاں اُسی وقت چُپ چاپ اُٹھ کر ہمایوں کے پاس آیا اور حال بیان کیا - سوا اِس کے کیا ہو سکتا تھا

کہ ایران کا ارادہ کریں ٭

اکبر اُس وقت پورا برس دن کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اُسے میر غزنوی اور خواجہ سرا وغیرہ اور ماہم انگہ کے سپرد کر کے یہیں چھوڑا۔ وفاداروں سے کہا کہ "مرزا کا خدا نگہبان ہے ہم آگے چلتے ہیں۔ بیگم کو کسی طرح ہم تک پہنچا دو" پیچھے بیگم بھی آن ملیں۔ مورخ کہتے ہیں کہ "اس شکستہ حال قافلے میں نوکر چاکر مل کر ستّر آدمی سے زیادہ نہ تھے" ٭

اب اِدھر کی سُنو۔ مرزا عسکری جب مستنگ کے پاس پہنچے پھٹے پُرانے خیمے کھڑے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے نوکر چاکر پڑے تھے بے وارثے قافلے کو پڑا دیکھ کر اپنی بدنیتی پر بہت پچھتایا میر غزنوی سے پوچھا "مرزا (اکبر) کہاں ہیں؟" عرض کی "گھر میں ہیں" چچا نے ایک اونٹ میوہ کا بھتیجے کے لئے بھیجا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ مرزا عسکری بیٹھے اور ایک دو منشیوں کو لے کر اسباب ضبطی کی فہرست لکھوانے لگے۔ صبح کو سوار ہوئے۔ اور نقارہ بجاتے ہمایوں کے اُردو میں داخل ہو کر چھوٹے بڑے سب کو گرفتار کر لیا ٭

بے رحم چچا ڈیوڑھی پر آیا۔ کہ بھتیجے سے ملوں گا۔ یہاں رات قیامت کی رات گزری تھی۔ سب کے دل دھکڑ پکڑ

کرتے تھے کہ ماں باپ اُس حال سے گئے۔ ہم اِن پہاڑوں میں
بے سروسامان پڑے ہیں۔ بے مُروّت چچا ہے۔ اور معصوم
بچے کی جان ہے۔ اللہ ہی نگہبان ہے۔ میر غزنوی اور ماہم انکہ
اکبر کو کندھے سے لگائے سامنے آئی۔ منافق چچا نے گود میں
لے لیا۔ اور چاہا کہ بچہ ہنستے ہوئے۔ مگر اکبر کے لبوں پر
تبسم بھی نہ آیا۔ جُھکا منہ دیکھا کیا۔

غرض جو کچھ مرزا عسکری کے ہاتھ آیا۔ لُوٹا کھسوٹا۔ اور اکبر
کو بھی اپنے ساتھ قندھار لے گیا۔ قلعے کے اندر ایک بالاخانہ
رہنے کو دیا۔ اور سلطان بیگم اپنی بی بی کے سپرد کیا۔ بیگم
بڑی محبت شفقت سے پیش آتی تھی۔ خدا کی شان دیکھو باپ
کے جانی دشمن بیٹے کے حق میں ماں باپ ہو گئے۔

جب ہمایوں ایران سے پھرا اور افغانستان میں آمد آمد
کا غُل ہُوا۔ تو مرزا عسکری اور کامران گھبرائے۔ آپس میں
دونوں کے نامہ و پیام دوڑنے لگے۔ کامران نے لکھا کہ اکبر کو
ہمارے پاس کابل میں بھیج دو۔ مرزا عسکری نے یہاں مشورت
کی بعض سرداروں نے کہا " بھائی اب پاس آ پہنچا ہے۔

؎ کامران بھی ہمایوں کا بھائی تھا۔ عسکری کی حکومت قندھار میں تھی
کامران کی کابل میں ۱۲

اِعزاز و اکرام سے بھتیجے کو بھیج دو اَور اُسی کو عفوِ تقصیرات کا وسیلہ قرار دو۔" بعض نے کہا "اب صفائی کی گنجائش نہیں رہی۔ مرزا کامراں ہی کا کہنا ماننا چاہیئے"۔ مرزا عسکری کو بھی یہی مناسب معلوم ہُوا۔ اکبر کو سب متعلقوں کے ساتھ کابُل بھیج دیا۔

جب ہمایوں نے کابُل فتح کیا تو اکبر دو برس۔ دو مہینے دو دن کا تھا۔ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں روشن کیں۔ اَور خدا کا شکر بجا لایا۔ چند روز کے بعد تجویز ہوئی کہ ختنے کی رسم ادا کی جائے۔ بیگم وغیرہ حرم سرا کی بی بیاں قندھار میں تھیں وہ بھی آئیں۔ اُس وقت عجیب تماشا ہُوا۔ ظاہر ہے کہ جب ہمایوں اَور اُس کے ساتھ بیگم ایران کو گئے تھے اُس وقت اکبر کی کیا بساط تھی۔ دِنوں اور مہینوں کا ہوگا اِتنی سی جان کیا جانے کہ ماں کون ہے؟ اب جو سواریاں آئیں تو ان سب کو لاکر محل میں بٹھایا۔ اکبر کو بھی لائے اور کہا کہ "جاؤ مرزا! امّاں کی گود میں جا بیٹھو"۔ بھولے بھالے بچّے نے پہلے تو بیچ میں کھڑے ہوکر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر خواہ دانشِ خداداد کہو۔ خواہ دِل کی کشش کہو۔ خواہ لہو کا جوش کہو۔ سیدھا ماں کی گود میں جا بیٹھا۔ ماں برسوں

سے بچھڑی ہوئی تھی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے گلے سے لگایا۔ اور پیشانی پہ بوسہ دیا۔ اِس عمر میں اُس کی سمجھ اور پہچان پر سب کو بڑی اُمیدیں ہوئیں ؛

۹۵۴ھ ہجری میں جب کامران پھر باغی ہوا تو وہ کابل کے اندر تھا۔ اور ہمایوں باہر گھیرے پڑا تھا۔ ایک دن دھاوے کا اِرادہ تھا باہر سے گولے برسانے شروع کیے اکثر اشخاص کے گھر اور گھر والے اندر تھے۔ اور خود ہمایوں کے لشکر میں شامل تھے۔ بے درد کامران نے اُن کے گھر لوٹ لیے۔ ننگ و ناموس برباد کیے۔ اُن کے بچوں کو مار مار کر فصیل پر سے پھنکوایا۔ اُن کی عورتوں کی چھاتیاں باندھ باندھ کر لٹکایا۔ غضب یہ کیا۔ کہ جس مورچے پہ گولوں کا زور تھا تو نے پانچ برس کے معصوم بھتیجے کو وہاں بٹھا دیا۔ ماہم نے گود میں ڈھکا لیا۔ اور اُدھر پیٹھ کر کے بیٹھ گئی کہ اگر گولا لگے تو بلا سے پہلے میں سہہ لوں۔ ہمایوں کے لشکر میں کسی کو اِس حال کی خبر نہ تھی۔ یکایک توپ چلتے چلتے بند ہوئی کبھی ماہتاب دکھائی۔ تو رنجک چاٹ گئی کبھی گولا اُگل دیا۔ سنبل خاں میر آتش بڑا تیز نظر تھا۔ اُس نے غور سے دیکھا۔ تو سامنے آدمی بیٹھا ہوا

معلوم ہوا - دریافت کیا تو یہ حقیقت معلوم ہوئی ؛

شمس العلما محمد حسین آزاد

(۲۶) ہندوستان کے پھول

شجر اس مملکت کی عجب گل زمیں
کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں

دل بستہ و گلہائے ان کو ہو باغ باغ
جو سونگھے تو نکھر جائے پھولے دماغ

گل اندر ہے جن گلدستہ کی نقل میں آئیں
تو مجلس کا عالم چمن کا بتائیں

کریں ان کی صفت کیا ہو کسی کا بیاں
کہ اک اک کلی اس کی ہے عطرداں

جو چمپا کی پوشاک ہے زرد رنگ بسنتی
رہے بزم میں اس کی نت ریل پیل

ہے شبو مونگرا کی بہاری سہی ہوا
ہر اک گل سے اس کی بہاری ہے بوا

کیوڑا سے کیوڑا کا ہے روپ
کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہے دھوپ

گلاب سے نرالا ہے گل چاندنی
چمن کا اجالا ہے گل چاندنی

ہر اک گل کا ہے رنگ یہ عالم جدا
نہیں لطف سے کوئی خالی ذرا

تمہیں دیکھئے ہر طرح خوب ہے
طبیعت کو ہر اک کی مرغوب ہے

چلو کے ستاؤ بولیے تا کہ پہنچے خوشی
زن سے لو او زن باد شا

جو عالم پھولوں کے دیکھے تو پھولوں
وہ ہرگز نہ ہو بیقلی سے حصول

(آزاد شیخ جمیل)

(۳۷) گفتگو

اگر غور کرو تو بولنا اور بات کرنا اتنا ضرور نہیں۔ جتنا کہ ہم لوگ رات دن بلا ضرورت اور بے حاجت بکا کرتے ہیں بس بے ضرورت بات کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں کوئی پوچھے تو جواب دو تم کو خود حاجت ہو۔ تو بولو۔ کیونکہ اس سے زیادہ بولنا بے فائدہ ہے۔

گفتگو میں چغلی اور غیبت یعنی پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا یا بدی کے ساتھ اس کا تذکرہ کرنا اور جھوٹ بولنا۔ یا فحش یعنی گالی بکنا۔ بڑے درجے کے عیب ہیں۔ بہت احتیاط کرو کہ تمہاری گفتگو ان عیبوں سے پاک ہو ورنہ ایسے آدمی کو بدزبان اور بیہودہ کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو تکیہ کلام کی عادت پڑ جاتی ہے۔ لوگ منہ پر تو لحاظ کے سبب سے کچھ نہیں کہتے۔ پیٹھ پیچھے ہنسی اڑایا کرتے ہیں۔ ان دنوں لوگوں نے قسم کو تکیہ کلام کر لیا ہے لیکن غضب یہ ہے کہ اس کو عیب بھی نہیں سمجھتے جس کو دیکھو بغیر واللہ کے ایک لفظ بھی نہیں بولتا۔ ان کم بختوں کو بات بات میں اللہ کا نام لینے سے کبھی باک نہیں

قسم کو تکیہ کلام کرنا تو درکنار۔ مطلق قسم بھی بے ضرورت کھانا
عیب ہے بلکہ قسم بے اعتباری کا تمغا ہے۔ اِس واسطے کہ اگر
قسم کھانے والا اپنی بات کو لائق پذیرائی جانتا تو قسم کیوں
کھاتا اور اُس دشمن عقل کو اِتنا خیال نہیں کہ جس کی بات کا
اعتبار نہیں۔ اُس کی قسم کا کیا اعتبار ہوگا۔

جو بات کرو نرمی اور آہستگی کے ساتھ کرو۔ سخت بات کرنا
یا چلّا کر بولنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ اگر تم کو کبھی پر غصہ بھی آئے
تو بد زبانی مت کرو۔ ارے! ابے! یا تو، کر کے بولنا بھی گالی
کی برابر سمجھو۔ جو لوگ تم سے کچھ کم درجے کے ہیں یہاں تک
کہ اپنے خدمت گار اور نوکروں سے بھی "بھائی میاں"
اور "جی" کہہ کر بات کرنی چاہیئے۔ تاکہ سب لوگ تم کو
جی سے پیار کریں۔

جب کوئی تم کو پکارے۔ تو اگر اپنا بزرگ یا بڑا ہے۔ تو
بہت ادب کے ساتھ جواب دو کہ "حضرت! حاضر ہوا" یا
"ارشاد فرمائیے، یا کیا حکم ہے؟" اور اگر اپنے سے کم درجے
کا ہے تو یوں جواب دینا چاہیئے "کیوں بھائی! کیا کہتے ہو؟
کیا کام ہے؟" لیکن پکارنے کا جواب "ہاں" نہیں ہے جیسا
کہ اکثر لڑکے بولتے ہیں۔ یہ بولی جانوروں میں گائے بیل کی

بولی سے بہت ملتی ہے۔ پس نا مناسب ہے کہ آدمی ہو کر
جانوروں کی بولی بولو +

جب تم مردانے میں مردوں کو باتیں کرتے سنو تو اُن
کی گفتگو پر غور کرو کیونکہ بھلے مانس آپس میں گفتگو کرتے
ہیں سلام اور سلام کا جواب۔ مزاج پرسی اور مزاج پرسی کا
جواب عیادت اور تسلی۔ تعزیت اور مبارک باد اور کسی کے
کلام پر جرح اور اعتراض اُس کی تردید یا تائید اور خوش خبری
دینا یا خبر بد پہنچانا اور مدح۔ ذم۔ مباحثہ۔ مناظرہ۔ اظہار علالت
ادائے شکریہ۔ درخواست و التماس۔ عذر و معذرت
استعفا اظہار اشتیاق شکوہ۔ شکایت۔ تاسف۔ بشاشت اور
ہر طرح کی بات چیت کس طرح پر ہوتی ہے۔ اُن کے لفظ
ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہیں اور جب تم کو بھلے مانسوں
میں گفتگو کرنے کا اتفاق ہو۔ تو وہی بولو۔ جو تم نے بھلے
مانسوں کو بولتے سنا ہے۔

ہر چند درستی گفتگو کی بے علم کے نہیں ہو سکتی۔ لیکن
علم والوں اور پڑھے لکھوں کی گفتگو پر دھیان لگانے اور
غور کرنے سے بے شک بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ بے علم لوگ
مزاج کو مجاز اور شفیع کو شنیع۔ نسخہ کو نخسہ کہتے ہیں۔

نا

اَوْر اِسی طرح سینکڑوں لفظ ہیں جن کو بے پڑھا آدمی صحیح نہیں بول سکتا۔ پس تم کوشش کرو کہ جلد جلد پڑھ لو۔ تو تمہارا روز مرہ دُرست ہو جائے ✽

یہ بولی۔ جو ہم تم بولتے ہیں۔ اُردُو کہلاتی ہے۔ اَور یہ بولی بہُت پُرانی نہیں ہے۔ پُرانی عربی ہے۔ اَور عَرب کے مُلک میں جہاں لوگ حج کو جاتے ہَیں۔ اب تک عربی بولی جاتی ہے عربی زبان میں علم کی سینکڑوں کتابیں ہیں۔ فارسی بھی بہُت پُرانی ہے۔ اور اِس زبان میں علم کی تو کم قصّہ کہانی کی بہُت کتابیں ہیں فارسی ایران میں بولی جاتی ہے یہ مُلک جس میں ہم رہتے ہیں۔ ہندوستان ہے۔ یہاں کی اَصلی بولی سنسکرت تھی پھر بھاکا بولنے لگے۔ اکبر بادشاہ کے وقت میں بہُت بڑا لشکر رہتا تھا۔ اُن میں عرب ہندوستان۔ تُرکستان۔ فارس ہر مُلک کے آدمی نوکر تھے۔ اَور اپنے اپنے دیس کی بولی بولتے تھے۔ مُدت تک سب ساتھ رہے۔ اَور سب کی بولیاں گڈ مڈ ہوکر یہ نئی بولی پیدا ہُوئی۔ جو اُردو ہے اَور ہم تم بولتے ہیں۔ پس اُردو بولی اِسی مُلک سے نکلی ہَے ✽

اِس طوُل داستان سے مطلب یہ ہَے کہ تم اِس مُلک میں پیدا ہُوئے اَور اِسی مُلک میں پرورش پاتے رہے ہُو۔ بڑے

افسوس کی بات ہے کہ تمہاری زبان سے خود تمہارے ملک کی بولی کا کوئی نادرست لفظ نکلے۔ پس غور کرکے اپنا روزمرہ صحیح اور درست کرلو۔ کہ تم سچے اہلِ زبان بن جاؤ۔

ہر چند بولی ایک ہے لیکن مردوں اور عورتوں کے لب و لہجہ میں بڑا فرق ہے۔ چونکہ تم مرد ہو عورتوں کا لب و لہجہ مت اختیار کرو۔ اور جو شخص مرد ہوکر عورتوں کی طرح بولتا ہے وہ ہیجڑا کہلاتا ہے۔ بلکہ عورتوں کے حرکات اور انداز بھی مردوں کو اختیار کرنے نہیں چاہئیں۔ تم جس طرح مردوں کا چال چلن دیکھو اس کی بے کم و کاست پیروی کرو۔ بات صاف اور آہستہ سمجھا کر کہنی چاہیے۔ جلد ہرگز مت بولو۔

شمس العلما مولوی نذیر احمد

(۳۸) تاروں بھری رات

ارے چھوٹے چھوٹے تارو! کہ جھلک دِکھا رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہو وے مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسماں پہ جو ہے کل جہاں سے اعلیٰ

ہوئے روشن اس روش سے   کہ کسی نے جڑ دیے ہیں
گہر اور لعل گویا
جو نہیں آفتاب تاباں   نے چھپایا اپنا چہرہ
وہیں جلوہ گر ہوئے تم   یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہے مسافروں کے حق میں   بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی   نہ میسّر آتی اُن کو
تو غریب جنگلوں میں   یونہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس و چپ کی   نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے
وہ غریب کھیت والے   وہ اُمیدوار دہقان
کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی   کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہہ رہا ہے خرمن   نہیں آنکھ اُن کی جھپکی
یوں ہی شام سے سحر تک   ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ   نہ شمارِ وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو!   ہو تمہیں اُنہیں سمجھاتے
کہ گئی ہے رات اتنی
وہ جہاز جن کے آگے   ہے وسیع بحرِ اعظم
اُنہیں ہولناک موجوں   سے مقابلہ ہے کرنا

کوئی ہے چلا وطن سے کوئی آ رہا ہے واپس
انہیں کچھ خبر نہیں ہے کہ کدھر ہے اُن کی منزل
نہ تو مرحلہ۔ نہ چوکی نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل و رہبر مگر اے فلک کے تارو!
تمہیں اُن کے رہ نما ہو

(مؤلّف)

(۲۹) غرض کی دوستی

۱۔ کسی جنگل میں ایک پُرانا درخت تھا۔ اُس کی جڑ میں ایک ہوشیار چوہے نے اپنا بل بنا رکھا تھا۔ اُسی کے آس پاس ایک بلّی رہتی تھی۔ جنگل میں بہت سے شکاری شکار کھیلنے آتے اور جال لگاتے تھے۔

۲۔ ایک دِن کا ذکر ہے کہ ایک شکاری نے جال لگایا۔ اور جال میں چھوٹا سا ٹکڑا گوشت کا باندھ دیا۔ بلّی تو گوشت پر جان دیتی ہے۔ بو پاتے ہی لپکی۔ ابھی گوشت کھایا بھی نہ تھا کہ جال میں پھنسی اور خود شکار ہو گئی۔ اِتنے میں چوہا بھی دانے دُنکے کی تلاش میں آہستہ آہستہ بل سے باہر نکلا چوکنّا اِتنا کہ کبھی

دو قدم آگے بڑھتا کبھی پیچھے ہٹ جاتا۔ آگے پیچھے دہنے بائیں دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا کہ یکایک بلی پر نگاہ جا پڑی نظر کا دوچار ہونا تھا کہ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ مگر ذرا غور سے دیکھا تو اس کو جال میں پھنسا پایا۔ اب ذرا جان میں جان آئی۔ شکاری کو دعائیں دینے لگا۔ دوسری طرف جو نگاہ کی تو دیکھتا کیا ہے؟ بل کے پاس ہی نیولا گھات لگائے بیٹھا ہے۔ چاہا کہ پیڑ پر چڑھ کر پناہ لے تو وہاں ایک الو اسی کی تاک میں بیٹھا ہے۔ پھر تو چوہا مارے ڈر کے تھر تھر کانپنے لگا کہ جاؤں تو کہاں جاؤں اور کروں تو کیا کروں۔ ذرا اوسان درست ہوئے تو سمجھ میں آیا کہ اس وقت بلی کو غالب بنا لینا چاہیے۔ اس کو میری مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے اس کی حمایت کی۔ اگر ہم سچے دل سے ایک دوسرے کی مدد کریں تو دونوں کا کام بنتا ہے۔

یہ سوچ کر دبے پاؤں بلی کے نزدیک آیا۔ اور پوچھا "کہو بی خالہ! جی کیسا ہے؟" بلی دھیمی آواز سے بولی "بیٹا! مجھ بدنصیب کا کیا حال پوچھتے ہو؟ کئی دن کا

فاقہ تھا۔ آج خدا خدا کر کے ذرا سا ٹکڑا دِکھائی دِیا تھا کہ
جال میں پھنس گئی"۔

چوہا۔ خالہ! ایک نہایت ضروری بات عرض کرنی چاہتا ہوں
وقت ہے تنگ اور جان جوکھوں کا معاملہ۔ آپ کی اجازت
ہو تو کہوں؟"۔

بلی۔ بیٹا! جو کچھ تمہیں کہنا ہے شوق سے کہو۔ اور ایسی ضروری
بات ہے۔ تو دیر کیوں لگاتے ہو؟"۔

چوہا۔ "خالہ جان! اصل بات یہ ہے۔ کہ آپ کو مصیبت میں دیکھ
کر میں ہمیشہ خوش ہوتا تھا۔ اور یہی آرزو رہتی تھی
کہ آپ پر آسمان سے بلا ٹوٹے۔ اور آپ بالکل اپاہج
ہو جائیں۔ آپ کے خوفناک تیز دانت اور خونخوار فولادی
پنجے جن سے ہماری قوم کے ہزاروں ہونہار بچوں
کو آپ نے خاک میں ملایا ہے۔ ٹوٹ کے جھڑ پڑیں
اور آپ کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں یہاں تک کہ
آپ منہ دھونے کے لئے بھی ترسیں۔ مجھی پر کیا موقوف
ہے ہماری ساری قوم آپ کے حق میں ہمیشہ یہ
بد دعا کرتی ہے "الٰہی! بلیاں دنیا سے غارت
ہو جائیں۔ اور ان کی نسل سے اس زمین پر کوئی

بکنے والا نہ رہے۔" لیکن آج ایسا موقع پیش آیا ہے کہ میں آپ کی اِس مصیبت میں ہمدردی کے لئے جان و دل سے تیار ہوں اور اِس میں ایک خاص غرض پوشیدہ ہے۔ جس میں میرا اور آپ کا دونوں کا فائدہ ہے۔ اور فائدہ بھی برابر کا یعنی آپ کی جان میری وجہ سے بچتی ہے۔ اور میری جان آپ کے طفیل میں۔

اِس وقت ایک نیولا میری تاک میں بیٹھا ہے اور کوا مجھے اُچک لینے کی فکر میں ہے۔ اگر آپ مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ تو دونوں موذی مایوس ہوکر اپنا اپنا رستہ لیں۔ اِس احسان کے بدلے میں میں یہ خدمت بجا لاؤں گا۔ کہ جال کا ایک ایک بند جن میں آپ جکڑی پڑی ہیں۔ دم بھر میں کاٹ ڈالوں گا"۔

بلّی نے چوہے کی ساری داستان پوری توجہ سے سُنی پر مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا چوہے کی درخواست پر غور کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک بلّی نے جواب ہی نہ دیا تو چوہا گھبرا کر بولا۔

چوہا۔ خالہ جان! کیا آپ کے نزدیک میری تجویز مناسب نہیں؟ غور تو کیجیے جب آپ کی جان میری وجہ سے بچتی ہے تو

آپ کو میری جان کے بچنے کا غم کیوں ہے؟ ایسے نازک وقت میں غفلت اور کاہلی کرنا عقل کے خلاف ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ جب تک میری جان میں جان ہے اپنے عہد پر ثابت قدم رہوں گا۔ اب جو کچھ آپ کو منظور ہے فرمایئے۔ کچھ مجھ ہی کو موت کا سامنا نہیں ہے۔ آپ بھی اپنی جانِ شیریں سے ہاتھ دھو رکھیے"۔

بلی "بیٹا! تیری بات میرے جی کو لگتی ہے۔ بے شک اتفاق ہی میں نجات ہے۔ اور اسی کی برکت سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ دونوں کی جان بچ جائے مگر یہ تو بتاؤ کہ میں اپاہج بنی ہوئی جکڑی پڑی ہوں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

چوہا "خالہ جان! بس اتنا کیجیے کہ مجھے اپنی گود میں لے لیجیے پھر تو میں نیچے ہی نیچے بیٹھا ہوا جال کے بند صاف اڑا دوں گا"۔

بلی نے یہ بات پسند کی اور چوہے کو بہت تپاک سے چمکار کر اپنی گود میں چھپا لیا۔ پھر تو بن باسی رُستم یعنی نیولا اور زاغ صحرائی یعنی کوا جو دیر سے چوہے پر گھات لگائے

بیٹھے تھے۔ بلّی کا برتاؤ دیکھ کر حیثیت ہو گئے۔ اور چوہے نے اپنے وعدہ کے مطابق چپکے چپکے جال کے بند کترنے شروع کر دیے۔ اِسی اثناء میں چوہے کے دل میں خیال آیا: "کہیں ایسا نہ ہو کہ بلّی جال سے رہائی پا کر مجھی کو لقمہ بنا لے" اِس خیال کا آنا تھا کہ بند کاٹنے میں سستی کرنے لگا۔ بلّی تاڑ گئی دیکھو نہ کچھ دال میں کالا ہے۔ شاید چوہے کو میری طرف سے کوئی خطرہ پیدا ہوا ہے۔"

بلّی۔"کیوں بیٹا! کیا وفا داری اسی کو کہتے ہیں؟ پہلے تو چکنی چپڑی باتیں بنا کر اپنا کام نکال لیا۔ اب اپنا عہد پورا کرنے میں پس و پیش کرتے ہو۔ میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔ اِس دُنیا میں وفا کہاں؟ ؎

یوں وفا اُڑ گئی زمانہ سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں (داغ)

مجھ غریب بے بس قیدی کو ستا کر کیا پھل پاؤ گے؟"

چوہا۔"خالہ جان! اس قسم کی بدگمانی میری نسبت نہ کیجیے یہ ارادہ تو ہرگز نہیں کہ آپ سے بد عہدی کر کے اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگاؤں"

بلّی۔"اچھا تم بد عہدی اور بے وفائی کو برا سمجھتے ہو۔ تو

کام میں اس قدر سستی کیوں کرتے ہو؟ آخر اس کا سبب کیا ہے؟"

چوہا دوست: سنو! خالہ مجھ کو اپنا وعدہ وفا کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے۔ لیکن آپ کی طرف سے ایک خطرہ ہے اور وہی خطرہ میری سستی کا سبب ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ دوستی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو صرف آپس کی اُلفت محبت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور یہی اصلی دوستی ہے۔ ایسی دوستی میں ایک دوسرے پر جس قدر اعتماد کریں تھوڑا ہے۔ اور ایسے سچے دوستوں کا ہاتھ آنا دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے دوسری قسم کی دوستی وہ عارضی دوستی ہے جو کسی غرض کے لیے پیدا کر لی جائے۔ اور میری آپ کی دوستی اسی قسم کی ہے میں آپ کو قید سے چھڑانے کی کوشش اس لئے کرتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ اور آپ میرے ساتھ اس واسطے محبت کرتی ہیں کہ آپ کی جان کی سلامتی مجھ پر موقوف ہے۔ اب مجھے یہ خوف ہے کہ جال سے رہائی پاکر آپ میرے ہی اوپر ہاتھ صاف نہ کریں۔ اس لئے

مجھ پر فرض ہے کہ ساتھ ہی ساتھ اپنی جان کی حفاظت بھی نظر میں رکھوں"۔

بلی "بیٹا! تیری عقل، لیاقت اور ہوشیاری کی تو میں قائل ہو گئی۔ میں کہا جانتی تھی کہ تو ایسا ہوشیار اور دُور اندیش ہے۔ خیر! اب یہ بتا کہ وہ کون سی صورت ہے کہ مجھ دُکھیا کے بند بھی کٹ جائیں اور تجھے بھی میری طرف سے اطمینان رہے؟"

چوہا "میرے جی میں تو یہ ہے کہ جال کے سارے بند کاٹ دوں۔ مگر ایک بند جو سب سے زیادہ مضبوط ہے اُس کو باقی رہنے دوں۔ اور عین اُس وقت کہ شکاری جال کھینچنے کے واسطے آ پہنچے یہ بڑا بند بھی کاٹ دوں۔ آپ کو خود اپنی جان کی فکر ہو گی مجھ پر حملہ کرنے کا ہوش ہی نہ رہے گا"۔

بلی تاڑ گئی کہ چوہا اپنے فن میں کامل ہے اس پر کوئی حکمت نہیں چل سکتی۔ آخر چوہے نے یہی کیا کہ سب بند تو کاٹ دیے ایک باقی رکھا۔ اور رات بھر بلی کو دلچسپ قصے اور پند آمیز حکایتیں سناتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی اور سامنے سے شکاری آتا دکھلائی دیا اور بلی نے بولا کر تڑپنا

شروع کیا کہ موت کا فرشتہ آ پہنچا۔ اور ادھر چوہے نے جھٹ پٹ دو چار دانت ایسے مارے کہ پھندا کٹ کر الگ ہو گیا۔ پھندے کا کٹنا تھا کہ بلی جھپٹ کر سامنے والے درخت پر چڑھ گئی اس کو اپنی ہی جان کے لالے پڑے تھے۔ چوہے کی کرتُوت دیکھ بھی نہ سکی۔ چوہا بھی جھٹ پٹ اپنے بل میں جا داخل ہوا۔ اور اپنا نوک دار منہ اور گول گول آنکھیں سوراخ سے نکال کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شکاری نے جال اُٹھایا تو پھندے کٹے ہوئے پائے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا یہ کیا ماجرا ہے! مایوس ہو کر اپنا کٹا پھٹا جال کندھے پر ڈال چلتا بنا۔

بلی نے دیکھا کہ چوہا ذرا سا منہ بل سے باہر نکالتا ہے مگر باہر نہیں آتا۔ ہر چند بہلایا۔ پھسلایا کہ "اب تو ہم میں تم میں خالہ بھانجے کا رشتہ ہو گیا۔ تم نے میری جان بچائی میں نے تمہاری۔ اِس محبت اور دوستی کی قدر کرنی چاہیئے آؤ اکٹھی دو گھڑی بل بیٹھ کر باتیں کیا کریں" لیکن ہوشیار چوہا اس کی باتوں میں آنے والا نہ تھا یہی کہتا رہا کہ غرض کی دوستی بس اُسی وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ غرض درپیش ہے سے

دوستی! اور کسی غرض کے لئے!!
وہ تجارت ہے دوستی ہی نہیں (مولف)

(۳۰) کاشتکاری

گنج زر خاک سے اُگلوایا — کیمیا ہے تو کاشتکاری ہے
کر چکا جب کسان اپنا کام — پھر خدا سے اُمیدواری ہے
آفتِ ارضی و سماوی سے — ہے نگہباں تو فضلِ باری ہے
نہیں حاصل پہ دسترس نہ سہی — بیج بونا تو اختیاری ہے
وقت ضائع نہ کر اگیتی بو — سینچ لے کھیت نہر جاری ہے
جوت - بو - سینچ پھر توکل کر — نہ کیا کچھ تو شرمساری ہے
سرسری سا گمان بات کو مت جان — اِس پہ تو زندگی تمہاری ہے
جڑ - تنہ - ڈال - پات پھل اور پھول — دستِ قدرت کی نقش کاری ہے
کاہلی سے گھٹا نہ پیداوار — یہ تو بڑھیا گناہگاری ہے
اپنے اوپر ستم روا مت رکھ — واجب اپنی بھی حق گزاری ہے
بیل سے بڑھ جفاکشی کا سبق — کچھ اگر تجھ میں ہوشیاری ہے
کام میں کھپ رہا ہے بیچارہ — ناشتا ہے نہ کچھ نہاری ہے
رات کاٹی - جہاں سمائے سینگ — عیش و عشرت پہ لات ماری ہے
تھک گیا - تو زمیں پہ بیٹھ رہا — کس قدر مستقل خاکساری ہے
بیل ہے پر نہیں کسی کا بیل — کرتا اوروں کی غمگساری ہے
صبر و محنت کی یہ کڑی منزل — اُس کو ہلکی ہے جس کو پیاری ہے

دیکھ ! جو پایہ ہے شہبازی ہار تیری ہمت اگر کراری ہے
کچھ نہ کچھ کام کر۔ اگر تجھ کو آدمیت کی پاسداری ہے
(مؤلف)

(۳۱) بے غرض دوستی

۱۔ ایک کچھوے کا مسکن کسی صاف شفاف چشمہ کے کنارے واقع ہوا تھا۔ اسی چشمہ کے قریب ایک شاندار درخت کھڑا تھا۔ اس کی اونچی اونچی شاخوں میں ایک کوّے نے اپنا آشیانہ بنا رکھا تھا۔ پاس پاس کے رہنے سے ان دونوں میں ایسی ملاقات بڑھی کہ ایک دوسرے کا جاں نثار وفادار دوست بن گیا۔

۲۔ تھوڑے عرصہ کے بعد کوّے کا گزر ایک جنگل میں ہوا۔ وہاں ایک چوہے سے صاحب سلامت ہوئی تو اس کی خوش اخلاقی اور دانائی کا اثر کوّے کے دل پر ایسا ہوا کہ منت و سماجت کر کے اس کو اپنے ہمراہ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ اور یہ دونوں وہاں سے اس طرح روانہ ہوئے کہ کوّا چوہے کی دُم اپنی چونچ میں دبا کر لے اُڑا۔ اور سرِ شام اس کو اپنے درخت کے نیچے لا اُتارا۔

۳۔ کچھوا کوّے کی آواز سُن کر چشمہ سے نکلا۔ اور اُس کی خیر و عافیت اور دیر رسی کا سبب پوچھنے لگا۔ کوّے نے آج کے سفر کا مختصر حال بیان کر کے اپنے نئے دوست سے کچھوے کی ملاقات کرائی۔ چوہا اور کچھوا باہم مل کر نہایت خوش ہوئے۔ پھر آپس کے مشورے سے خواب و آرام کی خاطر ایک بل اُسی درخت کی جڑ میں انتخاب کیا گیا۔ کہ مہمان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اب یہ تینوں دوست ایک ہی مقام میں آس پاس رہنے لگے ؂

۴۔ ایک روز چشمے کے کنارے خوش و خرم بیٹھے تینوں رفیق باتیں کر رہے تھے۔ کہ دور سے ایک ہرن نظر آیا جو کڑیاں بھرتا بے تحاشا بھاگا چلا آتا ہے۔ تینوں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی ظالم شکاری اس غریب کے تعاقب میں ہے۔ کچھوے نے خوف کے مارے تڑپ سے پانی میں غوطہ لگایا۔ کوّا جھپ سے اُڑا اور اونچی شاخ پر جا بیٹھا۔ چوہا بھی لپک کر اپنے بل میں جا دبکا۔ ہرن نے جو سایہ اور چشمہ دیکھا۔ تو ذرا دم لینے کے لئے نڈھال سا کھڑا ہو گیا۔ مگر خوف زدہ ایسا ہو رہا تھا کہ بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا تھا ؂

۵۔ کوّا درخت کی چوٹی پر دور بین لگائے بیٹھا تھا۔

جب دیر تک کوئی آتا دکھائی نہ دیا۔ تو کوے نے آواز دی "دوستو! کوئی خطرہ نہیں۔ آجاؤ"۔ یہ سنتے ہی کچھوا پانی سے چوہا بِل سے باہر نکل آیا۔ کچھوے نے دیکھا کہ ہرن بد حواس ہو ہو کر پانی کی طرف دیکھتا ہے۔ مگر پیتا نہیں۔ تو اس نے تسلی دلاسا دے کر کہا کہ "میاں! یہاں کوئی مانع مزاحم نہیں پیاس لگی ہے تو شوق سے پانی پیو۔ کوئی واقعہ گزرا ہے تو بیان کرو۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ ہم سب تمہاری مدد کو تیار ہیں"۔

۶۔ ہرن نے جو یہ مشفقانہ باتیں سنیں۔ تو ذرا ہمت بندھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہنے لگا "شکاری تو میری جان کے لاگو ہو رہے ہیں۔ اس دہشت کے مارے مجھ کو کہیں قرار نہیں۔ پتا کھڑکا اور میں ہوا ہوا۔ آج ایک بہیلیا صبح سے میرے پیچھے پڑا ہے ہزار ہزار ترکیبیں کر رہا ہے میرے جی میں یہ ہول بیٹھ گئی ہے کہ کسی نہ کسی جتن سے وہ مجھے پکڑ ہی لے گا۔ اسی کے خوف سے بھاگتا بھاگتا یہاں پہنچا ہوں"۔ کچھوے نے کہا کہ "تم خوف کو دل سے دور کرو

صیاد کا یاں گزر نہیں ہے کچھ جان کا یاں خطر نہیں ہے

تمہارا جی چاہے تو ہماری صحبت میں رہو۔ ہم تین دوست یہاں پہلے سے رہتے ہیں۔ ہم کو بے حد خوشی ہو گی کہ تین سے چار ہو جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ دوستوں کی کثرت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ اور عقلا فرماتے ہیں کہ دوست ہزار ہوں تو بھی کم جانو اور دشمن ایک ہو۔ تب بھی بہت سمجھو"۔

۷۔ ہرن کو جو سہارا ملا اور دیکھا کہ یہ محبانِ مخلص اتفاق اور اتحاد کی بدولت کیسی اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو ہرن نے اپنے دوستوں کے ساتھ رہنے کا عہد و پیمان کیا ان دوستوں نے اس کو نصیحت کی کہ خبردار اس چراگاہ سے قدم باہر نہ رکھنا اور اس چشمہ سے کہ امن و امان کی جگہ ہے کہیں دور نہ جانا۔ ہرن نے یہ مشورہ قبول کیا۔ اور لطف و خوشی کے ساتھ چاروں مل کر اوقات بسر کرنے لگے۔

۸۔ ایک دن سب احباب جمع ہوئے تو ہرن کو نہ پایا۔ دیر تک انتظار کرتے رہے۔ پھر بھی نہ آیا۔ تو اندیشہ ہوا کہ آج خیر نہیں آخر یہ صلاح ٹھہری کہ دو بھائی کا بیٹا فاں تم فوراً پرواز کرو اور دیکھو ہمارا پیارا ہرن کس کھٹکے میں ہے؟"

کالے خاں تھوڑی ہی دیر میں بجلی کی طرح یہ خبر لائے

"وہ تو صیاد کے جال میں قیدی بنا پڑا ہے"۔

۹۔ کچھوے نے چوہے سے کہا "سنو یار مُوسیٰ خاں! اِس وقت تمہاری ہنر مندی کام دے سکتی ہے۔ جلد پہنچو۔ وقت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ مُوسیٰ خاں نے کالے خاں کو ڈاک کے ہرکارے کی طرح آگے کیا۔ اور اُس کی رہبری سے ہرچرند اس تک جا پہنچا دیکھا تو واقعی جال میں پھنسے قلابازیاں کھا رہے ہیں۔

چوہا "یار! تم جیسا چست۔ چالاک۔ عاقل۔ زیرک اِس دامِ بلا میں کیونکر آ پھنسا؟"۔

ہرن۔ بھائی! کچھ نہ پوچھو

طمع نے عقل کھوئی۔ حرص نے ایسا دیا جھانسا

کہ آزاد سیا بانی کو اِن پھندوں میں لا پھانسا

چوہے نے تشفّی کی۔ کہ ذرا صبر کرو۔ آپ نکالا۔ اور فوراً جال کے پھندے کاٹنے شروع کر دیے۔

۱۰۔ کچھ دیر بعد کچھوا بھی لوٹتا پوٹتا ہر چرند اس کے حال پر نوحہ کرتا آ پہنچا

"ٹوٹے وہ ہاتھ جس نے۔ گردن تری پھنسائی

پھوٹے وہ آنکھ جس نے تجھکو نظر لگائی

آیا ہوں تجھکو لینے اے میرے پیارے بھائی!"

ہرچند اس کچھوے کی صدا سُنتے ہی بولا "بھائی جان! آپ کا تشریف لانا تو میری گرفتاری سے بھی زیادہ خطرناک ہے اگر جال کے پھندے کٹ گئے اور صیاد آپہنچا۔ میں تو دو چار زغندیں مار نظر سے اوجھل ہو جاؤں گا۔ موسیٰ خاں کسی بل میں سٹک جائیں گے۔ اور بھائی کالے خاں تو ہر دم ہوائی جہاز پر سوار رہتے ہیں۔ بھلا فرمائیے تو ایسے نازک موقع پر آپ کا کیا حشر ہو گا؟"

کچھوا۔ بلا سے جان جائے تو جائے مرنے کے بعد وفادار تو کہلائیں گے۔ ہم سے تو نہیں دیکھا جاتا کہ "ایک دوست کی جان خطرہ میں ہو اور ہم گھر میں پڑے رہیں"۔ خیر!
مرگِ انبوہ جشنے دارد

۱۱۔ کچھوے نے بات بھی ختم نہیں کی تھی کہ صیاد آتا دکھائی دیا۔ کالے خاں نے تو جھٹ پٹ ایک بلند شاخ پر اجلاس جا کیا۔ موسیٰ خان ایک بل کے تہ خانے میں اُتر گئے۔ جال کے بند قریب قریب سب کٹ چکے تھے۔ ہرن جو تڑپ کر اُٹھا۔ تو صاف جال سے باہر۔ یہ جا۔ وہ جا نظر سے غائب۔

اب صیاد کی سُنیے۔ ہرن تو نکل ہی چکا تھا۔ جال دیکھا تو جگہ جگہ سے کٹا ہوا۔ حیران تھا۔ ع " یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے!؟

یکایک اُس کی نظر کچھوے پر جا پڑی۔ تو خیال کیا کہ ہو نہ ہو یہ انہیں حضرت کے کرتوت ہیں۔ کچھوے کو اُٹھا اپنے تھیلے میں ڈال اور تسمہ سے تھیلے کا منہ کس۔ جال اور تھیلا کندھے پر رکھ چلتا بنا۔ دل ہی دل میں کہتا تھا "میرے شکار کا تو ستیاناس مارا ہے۔ دیکھو میاں کچھوے! آج تم کو بھی چھچا بنا کر چھوڑوں گا"۔

صیاد ابھی کچھ بہت دور نہیں گیا تھا۔ کہ تینوں رفیق پھر جمع ہوئے اور لگے سرگوشیاں کرنے کہ یارو! بڑا غضب ہوا کسی طرح کچھوے کی جان بچاؤ ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
اور کیسی پڑی سر پر مرے اللہ! نئی

۱۲۔ آخر چوہے نے کہ سب میں ذہین فہیم تھا۔ ایک تدبیر نکالی۔ ہرن سے کہا "دوست جلدی لپکو اور صیاد کے آگے سے ذرا لنگڑاتے ہوئے نکلو"۔ کوّے سے کہا "تم جا کر ہرن پر منڈلانے لگو۔ کبھی کبھی ایک آدھ ٹھونگ بھی جما دینا۔ صیاد سمجھے گا۔ ہرن چوٹ کھایا ہوا ہے۔ لاؤ یونہی دوڑ کر پکڑ لیں وہ دوڑے گا۔ تو تم دونوں ڈھکاتے ڈھکاتے دور تک جانا اس دوڑ دھوپ میں ضرور ہے کہ وہ جال اور تھیلا کندھے

پَر سے اُتار الگ رکھ دے گا۔ اُس وَقت مَیں تسمہ کو کاٹ بڑے بھائی صاحب کو تھیلے سے نِکال چشمے کی طرف چل دوں گا تُم دُونوں بھی صیّاد کو خوب تھکا کر اپنے مقام پر واپس چلے آنا" ۔

۱۳۔ اِس حِکمت پر عمل کِیا گیا تو وُہی مُعاملہ پیش آیا جو چوہے نے سوچا تھا۔ ہرن لنگڑاتا چلا۔ تو صیّاد تھیلا اَور جال زمین پر رکھ اُس کے پیچھے دَوڑا۔ چوہا تو تھیلے میں سے کچھوے کو نِکال سیدھا چشمہ کی طرف ہو لیا۔ ہرن اَور کوّے نے شِکاری کو دوپہر تک خوب ہلکان کِیا اَور آخرکار وہ دُونوں بھی سلامتی کے ساتھ آ پہنچے۔ اب چاروں دوستوں نے مِل کر چشمہ کے کِنارے خوشی کا جلسہ کِیا۔ اُس وقت کوّے نے ایک اونچی سی شاخ پر بیٹھ کر پہلے تو خوب اپنا گلا صاف کیا۔ بعد ازاں بلند آواز سے یہ رُباعی پڑھی :۔

"رہتا ہے نخلِ محبت پہ بسیرا میرا ‏ ‏ یاروں ہی کی یاد میں ہے پھیرا میرا
پیچھے ہم آپ۔ اَور پہلے سب یار ‏ ‏ ہم نے کبھی سمجھا نہیں تیرا میرا

چوہا ایک پُرزہ کاغذ کا ہاتھ میں لے کر خوب کُودا۔ اُچھلا پھر اُس کو دیکھ کر یُوں پڑھنے لگا :۔

"مَیں دامنِ دَشت کا کُترنے والا ‏ ‏ یاروں پہ ہُوں جان نثار کرنے والا

اِک آن میں پھندوں کے اُڑادوں پُرزے
بندہ نہیں دُشمنوں سے ڈرنے والا"

پھر ہِرن نے پیاری پیاری نظروں سے دوستوں کی طرف دیکھ کر کان کھڑے کیے اور یہ رُباعی نرم لہجہ میں سُنائی:-

"یاروں کی محبّت نے بُلایا مجھکو
پھر قید سے دُشمن کی چُھڑایا مجھکو
بندہ احسان کا بنایا مجھکو
دے شُکر کی توفیق خدایا مجھکو"

سب سے آخر میاں کچھوے نے اپنی ڈھال سے مُنہ نکالا اور یوں گہر افشانی کرنے لگے:-

"اے چشمۂ دوستی! سدا رہ جاری
کر غم زدہ یاروں کی بہت غم خواری
ہم سے نا چیز گھونٹ تیرا پی کر
اُٹھے تو نہ دُشمنوں سے بازی ہاری"

یہ اشعار سُن کر پرندوں نے ہوا میں اور مینڈکوں نے پانی میں واہ واہ کا اِتنا شور مچایا کہ حاضرین نے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں۔

(۳۲) آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاری گری
نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مُدام
طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مُدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت
کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ چھت کُہن ہے ابھی تک نئی
اسے دیکھتی یوں ہی دُنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر
رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر

اِسے سب نے پایا اِسی ڈھنگ پر — اِسے سب نے دیکھا اِسی رنگ پر

عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب — ہمیشہ مصفّا ہے بے رفت و روب

نہ در ہے۔ نہ منظر۔ نہ کوئی شگاف — اِدھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف

کہیں جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے — جدھر دیکھئے اُس طرف بند ہے

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ — نظر کی پہنچ کا ٹھکانا ہے یہ

بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول — جِرس ہے نہ جھرّی نہ سلوٹ نہ جھول

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے — چمکتے ہوئے۔ جگمگاتے ہوئے

نظر آ رہے ہیں عجب شان سے — ہیں لٹکتے ہوئے سقفِ ایوان سے

چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

ہیں یہ لعل و گوہر جو بکھرے پڑے — زمیں سے بھی ہیں اِن میں اکثر بڑے

نظر میں جو اِتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دور چکّر لگاتے ہیں یہ

جُداگانہ رکھتے ہیں اپنا مدار — نہیں جانتا کوئی اِن کا شمار

یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے — بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے

وہ زنجیر کیا ہے؟ کشش باہمی — نہ اُس میں خلل ہو۔ نہ بیشی کمی

عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور — تُلا سب کا رہتا ہے آپس میں زور

یہ سب لگ رہے ہیں اُسی لاگ پر — لگاتے ہیں چکّر اُسی باگ پر

ہر اِک کے لئے اِک معیّن ہے دَور — وہی اِک وتیرہ۔ وہی ایک طَور

سدا چال کا ایک انداز ہے — نہ کھٹکا۔ نہ آہٹ۔ نہ آواز ہے

ہے اِن سب کا آئینِ ایجاد ایک — ہُنر ایک ہے اَور اُستاد ایک
ہر اِک چیز ذرّے سے تا آفتاب — بلا شبہ رکھتی ہے یکساں حساب
ہیں ذرّوں میں خورشید کی سی صفات — ہے خورشید بھی ذرّہ کائنات
حقیقت میں ہے یاں دُورنگی کہاں؟ — جہاں ذرّہ ہے۔ اَور ذرّہ جہاں

(مؤلّف)

(۳۳) محمود اَور ایاز

سُلطانِ محمود غزنوی کا ایک غُلام تھا۔ ایاز نام۔ بڑا ہوشیار وفادار۔ نیک دِل۔ بے طمع اَور با اَدب اِن اَوصاف کی وجہ سے سُلطان اُس کی اِتنی عزّت کرتا تھا کہ امیروں وزیروں کو بھی اُس پر رشک آتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ شکایت سُلطان کے بھی گوش گزار ہُوئی کہ "ایک غُلام کی اِتنی خاطر داری سب کو ناگوار ہے"۔ سُلطان نے فرمایا۔ "اچھا! اِس کا جواب کِسی موقع پر دِیا جائے گا"۔ ٭

کچھ عرصے کے بعد ایک رُوز سُلطان اپنے امیروں۔ وزیروں مُصاحبوں اَور غُلاموں کو ہمراہ لے کر سیر و شکار کے لئے نِکلا۔ جب وقت گرم ہو گیا۔ تو شاہی گروہ ایک باغ میں جا ٹھہرا اَور سب آدمی اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ سُلطان اَور چند امیر ایک طرف بیٹھے۔ بات چیت کر رہے تھے کہ دُور سے جرس بجتا سُنائی دِیا۔ پھر گرد اُڑتی نظر آئی۔ معلوم ہُوا

کہ کارواں چلا جاتا ہے ٭

سُلطان نے ایک امیر کو اِشارہ کیا کہ خُود جاکر دریافت کرو کہ "یہ قافلہ کہاں سے آ رہا ہے؟" امیر گیا اُور فوراً جواب لایا کہ "حضرت! یہ قافلہ بُخارا سے آتا ہے" ٭

سُلطان "جائے گا کہاں؟"

امیر "حضُور والا۔ یہ بات تو مَیں نے دریافت نہیں کی" ٭

سُلطان "خیر! تُم بیٹھو" ٭

اب دُوسرے امیر کو حُکم دیا کہ "تُم جاؤ اُور کارواں کی منزلِ مقصُود پُوچھو" وہ جلدی سے گیا اور واپس آیا ٭

امیر "جنابِ عالی! یہ کارواں غزنین کو جاتا ہے" ٭

سُلطان۔ اچھا۔ تو یہ لوگ بُخارا سے کب چلے تھے؟"

امیر "یہ بات تو مَیں نے نہیں پُوچھی تھی۔ اِرشاد ہُو تو اَب تحقیق کرآؤں"

سُلطان "نہیں تُم بیٹھو" ٭ اب سُلطان نے ایاز کو طلب کیا۔ وُہ کسی طرف کھانا تیّار کرا رہا تھا فوراً حاضر ہُوا ٭

سُلطان "دیکھو ایاز! سامنے جو قافلہ چلا جا رہا ہے۔ تم جاؤ۔ اُور معلُوم کرو کہ یہ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟" ٭

اُس وقت تک کارواں دُور نِکل گیا تھا۔ ایاز اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر جھپٹا اُور کارواں کو جا لیا امیر کارواں سے ملا اُور

جو جو باتیں اُس کے نزدیک پُوچھنے کے قابل تھیں سبھی تو پُوچھ ڈالیں
اَور اپنا خوب اطمینان کرکے سُلطان کی حضور میں واپس آیا ۔

سُلطان "ایاز! کیا خبر لائے ؟"
ایاز "یہ کارواں بُخارا سے آیا ہے"
سُلطان "کہاں جائے گا ؟"
ایاز "غزنین"
سُلطان "بُخارا سے کب چلا تھا ؟"
ایاز "آج چالیسواں رُوز ہے"
سُلطان "کیا کیا مال لایا ہے ؟"
ایاز "ریشمیں کپڑا۔ پشمینہ۔ سمور"
سُلطان "رستہ میں قافلہ کہیں لُٹا تو نہیں ؟"
ایاز "کہتے ہیں کہ ایک رات قزّاق نمُودار ہوئے تھے ۔ مگر خیر گُزری غارت گری کی جُراَت نہ کر سکے"
سُلطان "اِن لوگوں کے ساتھ سامانِ حفاظت کیا ہے ؟"
ایاز۔ "پچاس مُسلح سپاہی بدرقہ کے طور پر اِس کارواں کے ساتھ ہیں"
سُلطان "امیر بُخارا کا کُچھ حال سُنا ؟"
ایاز "میر قافلہ کہتا تھا کہ وہ کاشغر پر حملہ کرنے کی تیّاریاں کر رہا ہے"
سُلطان "اچھّا ایاز! جاؤ اپنا کام کرو"

اُمرا ہیں کہ شرم کے مارے پانی پانی ہُوئے جاتے ہیں۔ اَور دِل ہی دِل میں کہہ رہے ہیں کہ یہ لڑکا تو عقل کا پُتلا اَور دانائی کی تصویر ہے اگر سُلطان اِس کی عزّت کرتا اَور بڑے بڑے کام لیتا ہے تو کُچھ بیجا نہیں ۔

ایاز سَلام کرکے رُخصت ہُوا۔ تو سُلطان نے امیروں سے کہا کہ "آج کا مُعاملہ تمہاری اُس دِن کی شکایت کا جواب ہے۔ تم خُود سمجھ لو کہ میں اُس کی اِتنی قدر کیوں کرتا ہُوں" امیروں وزیروں نے بہُت مُعافی چاہی اَور سُلطان کی رائے پر تحسین و آفرین کی ۔

(۳۴) کچھوا اَور خرگوش

ایک کچھوے کے آ گئی جی میں
کیجیے سَیر و گَشت خُشکی میں
جا رہا تھا چلا ہُوا خاموش
اُس سے ناحق اُلجھ پڑا خرگوش
"میاں کچھوے! تمہاری چال ہے یہ!
یا کوئی شامت اَور وبال ہے یہ!
یُوں قدم پھُونک پھُونک دھرتے ہو
گویا تُو زمیں پہ کرتے ہو
کیوں ہُوئے چل کے مُفت میں بدنام
کیا چلے بن اَٹک رہا تھا کام؟
تم کو یہ حوصلہ نہ کرنا تھا
چُلّو پانی میں ڈُوب مرنا تھا
یہ تن و تُوش! اَور یہ رفتار!
ایسی رفتار پر خُدا کی مار

بولا کچھوا کہ "ہُوں خفا نہ حضور   میں تو ہُوں آپ مُعترِف بہ قصور
اگر آہستگی ہے جُرم و گُناہ   تو مَیں خُود اپنے جُرم کا ہوں گواہ
مُجھ کو جو سخت سُست فرمایا   آپ نے سب دُرست فرمایا
مُجھ کو غافل مگر نہ جانیے گا   بندہ پرور! بُرا نہ مانیے گا
یُوں زبانی جواب تو کیا دُوں   شرط بد کر چلو تو دِکھلا دُوں"
تُم تو ہو آفتاب مَیں ذرّہ   پر مٹا دوں گا آپ کا غرّہ
سُن کے خرگوش نے یہ تلخ جواب   کہا کچھوے سے یُوں بروئے عِتاب
تو کرے میری ہمسری کا خیال!   تیری یہ تاب! یہ سکت! یہ مجال!
چیونٹی کے جو پَر نکل آئے   ہے یقیں عنقریب اجل آئے
ارے بے باک! بدزباں! مُنہ پھٹ!   تُو نے دیکھی کہاں ہے دَوڑ جھپٹ؟
جب مَیں تیزی سے جست کرتا ہوں   شہسواروں کو پست کرتا ہوں
گرد کو میری بادِ پا نہ لگے   لاکھ دَوڑے مِرا پتا نہ لگے
ریل ہوں، برق ہُوں چھلاوا ہُوں   بلکہ مَیں ریل کا بھی باوا ہُوں
تیری میری نبھے گی صُحبت کیا؟   آسماں سے زمیں کو نسبت کیا؟
جس نے چھکتے ہُوں تُرکی و تازی   ایسے مریل سے کیا بدے بازی
بات کو اب زیادہ کیا دُوں طُول   خیر! کرتا ہُوں تیری شرط قبول!
ہے مُناسب کہ اِمتحاں ہو جائے   تا کہ عیب و ہُنر عیاں ہو جائے
اَلغرض اِک مقام ٹھہرا کر   ہُوئے دونوں حریف گرمِ سفر

بس کہ زوروں پہ تھا چڑھا خرگوش — تیزی پھرتی سے یوں بڑھا خرگوش
جس طرح جائے توپ کا گولا — یا گرے آسمان سے اولا
ایک دو کھیت چوکڑی بھر کے — اپنی چُستی پہ آفریں کر کے
کسی گوشے میں سو گیا جا کر — "فکر کیا ہے چلیں گے سستا کر"
اور کچھوا غریب آہستہ — چلا سینہ کو خاک پر گھستا
سوئی گھنٹے کی جیسے چلتی ہے — یا بتدریج چھاؤں ڈھلتی ہے
یوں ہی چلتا رہا با استقلال — نہ کیا کچھ اِدھر اُدھر کا خیال
کام کرتا رہا جو پے در پے — سر کیا رفتہ رفتہ منزل طے
حیف! خرگوش رہ گیا سوتا — ثمرہ غفلت کا اور کیا ہوتا؟
جب کھلی آنکھ تو سویرا تھا — سخت شرمندگی نے گھیرا تھا
صبر و محنت میں ہے سرافرازی — سُست کچھوے نے جیت لی بازی
نہیں قصّہ یہ دل لگی کے لئے — بلکہ عبرت ہے آدمی کے لئے
ہے سخن اس حجاب میں روپوش — ورنہ کچھوا کہاں کہاں خرگوش!!

(مؤلف)

دیگر تصنیفات مصنّفِ ہذا

اُردو زبان کا قاعدہ
اُردو زبان کی پہلی کتاب
〃 دوسری 〃
〃 تیسری 〃
〃 چوتھی 〃
〃 پانچویں 〃
ترجمان فارسی
کلیات مولوی اسمٰعیل
تزکِ اُردو
〃 مع ضمیمہ
ادیب اُردو
سفینۂ اُردو
گلکِ اُردو
قواعد اُردو حصۂ اوّل
〃 حصۂ دوم

ملنے کا پتہ

مینیجر بکڈپو نول کشور پریس حضرت گنج لکھنؤ

DUE DATE

DATE	NO.	DATE	NO.